معاشی بدحالی، زوال اور پاکستان

کیا آپ نے کبھی گہرائی سے یہ سوچا ہے کہ ایک ایسا معاشرہ، جس میں انسانیت، اخلاق اور انصاف کی بنیادیں مضبوط ہونی چاہئیں، آہستہ آہستہ کیوں بگڑ جاتا ہے؟ وہ انسان جو فطری طور پر عقل و شعور سے مالا مال ہے، اچانک اپنے اخلاقی اصولوں سے کیوں منحرف ہو جاتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو نہ صرف تاریخ کے صفحات پر بار بار اُٹھتے ہیں بلکہ یہ ہمارے موجودہ معاشرتی ڈھانچے کی حقیقت کو بھی عیاں کرتے ہیں۔

مغربی فلسفے کے ممتاز فلسفی جان لاک نے کہا تھا:

"انسان کی فطرت ایک خالی سلیٹ کی طرح ہوتی ہے، جس پر ماحول جو چاہے لکھ دیتا ہے"

یعنی انسان کی فطرت بذاتِ خود اتنی خالی نہیں ہوتی، جتنا کہ اس کا معاشرتی ماحول اسے تشکیل دیتا ہے۔ اگر ماحول بہتر ہو، تو انسان بھی بہتر بن جاتا ہے، لیکن اگر ماحول میں بدعنوانی، ظلم، یا جبر ہو، تو انسان بھی ان منفی خصوصیات کو اپنا لیتا ہے۔ یہ نظریہ ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ ہمارا کردار براہِ راست ہمارے اردگرد کے ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ جب ماحول میں بگاڑ آجائے، تو انسان بھی بگڑ جاتا ہے۔

ہمیں تاریخ کے گہرے خاندانی اور ثقافتی تجربات سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ قدیم یونان میں ایتھنز کے زوال کے دوران تھیوسی ڈیڈیز نے کہا تھا:

"جب معاشرے میں خوف اور عدم تحفظ پیدا ہو جائے، تو انسان بھیڑیے بن جاتے ہیں"

آج ہمارے معاشرتی ڈھانچے میں بھی وہی خوف، بے چینی، اور عدم تحفظ نظر آتا ہے جو ایتھنز کے زوال کا باعث بنا تھا۔ پاکستان میں بھی معاشی عدم استحکام، سیاسی بے اعتمادی اور کمزوری کا احساس بڑھ رہا ہے، جس کی وجہ سے افراد ایک دوسرے کو دشمن سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ ایک ایسا ماحول ہے جو ہماری روحانی، ذہنی، اور جسمانی قوتوں کو سلب کرتا ہے، اور ہم اپنے اخلاقی اور انسانی اصولوں سے منحرف ہوتے جاتے ہیں۔

پاکستانی معاشرہ بھی اس حقیقت سے نا آشنا نہیں۔ یہاں تاریخ کی کئی غلطیوں کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ بدعنوانی، ناانصافی، اور عوامی حقوق کی پامالی جیسے مسائل ہمیشہ سے ہمارے سماجی ڈھانچے کا

حصہ رہے ہیں۔ ہم یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ہمیں اپنے اندر کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہمیں یہ ماننا ہوگا کہ جب تک ہم اپنے ضمیر کو بیدار نہیں کریں گے، تب تک معاشرتی تبدیلی ممکن نہیں۔ صرف حکمرانوں کو موردِ الزام ٹھہرا کر ہم اپنی ذمہ داریوں سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ جیسے جان اسٹورٹ مل نے کہا تھا:

"جب تک لوگ اپنے حقوق کے لیے آواز نہیں اٹھائیں گے، تب تک معاشرہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا"

اگر ہم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ کر ان پر عمل نہیں کریں گے، تو ہمارا معاشرہ کبھی بھی بہتر نہیں ہو سکتا۔

تاریخ ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ معاشرتی ترقی کے لیے تین بنیادی ستون بہت ضروری ہیں: انصاف، تعلیم، اور اخلاقی قیادت۔ جب تک یہ تینوں چیزیں مضبوط نہ ہوں، معاشرہ کبھی بھی صحیح راستے پر نہیں چل سکتا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کے پاکستان میں ان تینوں میں سے ہر ایک کا فقدان نظر آتا ہے۔ اگر ہمارے انصاف کے نظام میں کمزوری ہو، اگر ہمارے تعلیمی ادارے صرف امتحانات تک محدود ہوں اور اگر ہماری قیادت اخلاقی پستی کا شکار ہو، تو وہ معاشرہ کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتا۔

ہمارے حالات کیسے بہتر ہو سکتے ہیں؟

معاشرتی زوال کی موجودہ حالت میں ہمیں ایک نئی راہ دکھانی ہوگی۔ یہ حقیقت تسلیم کرتے ہوئے کہ تاریخ میں ہمیشہ معاشرتی بگاڑ کے ذمہ دار ہم خود ہوتے ہیں، یہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ ہم اپنے مسائل کا حل بھی خود ہی نکال سکتے ہیں۔ تاریخ میں ایسے وقت آئے جب قوموں نے اپنے زوال کو تسلیم کرتے ہوئے بڑی تبدیلی کی، اور یہی وہ لمحہ ہے جب پاکستان جیسے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی بحرانوں میں گھری قوم کو اپنا مستقبل بدلنے کی ضرورت ہے۔

1۔۔ ذاتی کردار کی اصلاح:

سب سے پہلا قدم ہر فرد کی ذاتی اصلاح ہے۔ وہ قوم جو اپنی بنیاد سے مضبوط ہو، وہی معاشرہ عظمت کی طرف بڑھتا ہے۔ ہمیں اپنی روزمرہ کی زندگی میں ایمانداری، سچائی، اور انصاف کی بنیاد پر فیصلے کرنے ہوں گے۔ بدعنوانی، رشوت اور دوسرے برائیوں کا حصہ بننے کی بجائے ہمیں اپنی روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے بچنا ہوگا۔ اگر ہر فرد اپنے ذاتی کردار کی اصلاح کرے گا، تو یہ تبدیلی پورے معاشرے میں پھیل جائے گی۔ ہم جتنی بڑی تبدیلی کی توقع رکھتے ہیں، اتنی ہی بڑی ذاتی اصلاح کی ضرورت ہے۔ کیونکہ سوسائٹی کے ایک فرد کے کردار میں بدلاو؟ سے پورے معاشرے میں تبدیلی آتی ہے۔

2۔۔ تعلیم کا بہتر اور یکساں نظام:

ہمارے معاشرتی ڈھانچے کی سب سے بڑی کمزوری تعلیم کا فقدان ہے۔تعلیم صرف اسکولوں اور یونیورسٹیوں تک محدود نہیں ہونی چاہیے۔ یہ ایک مکمل سسٹم کی ضرورت ہے جو بچوں کی اخلاقی تربیت، دنیاوی مہارتوں اور تہذیبی اقدار کو فروغ دے۔اگر ہم اپنے بچوں کو صرف کتابی علم دیں گے اور ان کی اخلاقی تربیت پر توجہ نہیں دیں گے،تو ہم ایک خودغرض اور ناپائیدار نسل تیار کریں گے۔ہمیں وہ تعلیمی ماحول بنانا ہوگا جو فرد کی شخصیت اور معاشرتی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی بنیاد پر تیار ہو۔تعلیم سے مراد صرف سرکاری اور نجی اداروں تک محدود نہیں بلکہ یہ پورے معاشرتی نظام کی تبدیلی کی طرف ایک قدم ہے۔

3۔۔ انصاف کا مضبوط نظام:

پاکستان میں انصاف کا فقدان ہماری تاریخ کا المیہ رہا ہے۔انصاف کا نظام معاشرتی امن وسکون کی ضمانت ہوتا ہے،اور اس کا قوی ہونا ہر سطح پر ضروری ہے۔جب تک ہم انصاف کو غیر جانبدار اور مضبوط نہیں بناتے،تب تک ہم کسی بھی معاشرتی اور اقتصادی ترقی کا خواب نہیں دیکھ سکتے۔انصاف کا راستہ وہ راستہ ہے جو معاشرتی تنازعات، کرپشن، اور ظلم کے خلاف لڑتا ہے اور ہر فرد کو برابر کے حقوق دیتا ہے۔ہمیں اپنے نظامِ عدلیہ کو مضبوط کرنا ہوگا اور عوام میں انصاف کے حوالے سے شعور بیدار کرنا ہوگا۔

4۔۔ اخلاقی قیادت کا فقدان:

جب تک ہمارے رہنما اپنے اخلاقی کردار میں کمزوری کا شکار ہیں،تب تک معاشرہ کبھی بھی حقیقی ترقی نہیں کرسکتا۔قوموں کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ان کی قیادت میں ایمانداری، دیانت داری، اور عوامی خدمت کا جذبہ ہو۔اگر ہمارے رہنما اپنی ذاتی مفادات کو اہمیت دیتے ہیں تو وہ ملک کے لیے کبھی بھی فائدہ مند نہیں ہوسکتے۔ہمیں ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو عوام کے حقوق کو اولین ترجیح دے،اور جو دوسروں کے لیے قربانی دینے کی قوت رکھتا ہو۔

5۔۔ عوامی ذمہ داری اور اجتماعی عمل:

یادرکھیں، معاشرتی تبدیلی صرف حکمرانوں کی نہیں، بلکہ عوام کی ذمہ داری بھی ہے۔ہمیں اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنی ہوگی، ہمیں اپنے ضمیر کی آواز سننی ہوگی، اور ہم میں سے ہر فرد کو یہ یقین کرنا ہوگا کہ وہ تبدیلی کا حصہ بن سکتا ہے۔ہمیں اپنے اجتماعی عمل کو بہتر بنانے کے لیے ہر سطح پر جدوجہد کرنی ہوگی۔

7۔۔ معاشی خودکفالت:

ہماری معاشی ترقی کا راستہ پائیدار ترقی سے جڑا ہوا ہے۔اگر ہم معاشی خودکفالت کو ترجیح دیں گے اور بیرونی انحصار کو کم کرنے کی کوشش کریں گے،تو ہم اپنے بحرانوں کا سامنا کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے۔معاشی خودکفالت کا مطلب صرف مالی آزادی نہیں ہے، بلکہ یہ ہمارے عوام کی ذہنی آزادی اور طاقت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ہمیں اپنی صنعتی، زرعی، اور تجارتی صلاحیتوں کو بہتر بنانا ہوگا تاکہ ہم عالمی سطح پر خود کو ثابت کرسکیں۔

7۔۔ قوم کی ذہنی بیداری اور قومی شعور کا فروغ:

تاریخ کے تجربات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قوموں کی ترقی کا راز قومی شعور میں چھپا ہوتا ہے۔ہمیں اپنے عوام میں ایک نیا عزم اور حوصلہ پیدا کرنا ہوگا تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اپنے وطن کی خدمت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ یہ قومی شعور ہی ہے جو عوام کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرتا ہے اور وہ مل کر اپنے مسائل حل کرتے ہیں۔

آج ہمیں اس بات کا پختہ عہد کرنا ہوگا کہ ہم اپنی ذاتی زندگیوں میں اصلاحات لائیں گے، اپنے معاشرتی نظام میں انصاف، تعلیم اور اخلاقی قیادت کو فروغ دیں گے،اور اپنے معاشی مسائل کا حل خود تلاش کریں گے۔پاکستان کا مستقبل روشن ہے،لیکن یہ تب ہی ممکن ہے جب ہم اپنی غلطیوں سے سیکھ کر آگے بڑھیں اور ایک نئے دور کی بنیاد رکھیں۔ہم سب کو اپنے حصے کا کردار ادا کرنا ہوگا کیونکہ جب تک ہر فرد اپنے کام میں مخلص نہ ہو، معاشرتی تبدیلی ایک خواب ہی رہے گا۔

اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدلے[الرعد۔11] ہم اپنی بد دیانتی، بے ایمانیاں، ملاوٹ، جھوٹ، فریب اور لالچ چھوڑ دیں گے تو اللہ خود ہمارے حالات بدل دے گا،، ایسا ممکن نہیں کہ بے ایمان قوم پر ایماندار افراد حکومت کریں اور ایسا بھی نہیں کہ ایماندار قوم پر بے ایمان حکومت کریں، ہمیں تو اپنا کردار اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق درست کرنا ہوگا، اور اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ زمین پر تمہیں حاکمیت عطا کردے گا۔۔قرآن حکیم نے بھی جتنی بھی قوموں کی تباہی سے آگاہی دی ہے ان سب میں ایک ہی بات مشترک ہے کہ وہ سب وحی سے انحراف کرچکی تھیں۔آج ہم بھی اپنی بربادی کا جائزلیں تو یہ ہی بات سامنے آتی ہے کہ ہم فرقہ پرست کتابوں کو تو سمجھ کر پڑھتے ہیں اور عمل کرتے ہیں لیکن قرآن کو تو ہم سمجھنے کے قابل بھی نہیں سمجھتے ''تم قرآن کو سمجھ کر اور پھر تم اس پر عمل پیرا ہوکر تو دیکھو'' اللہ تمہیں تمہارا کھویا ہوا مقام دوبارہ عطا کردے گا، کیا اللہ نے تمہیں قرآن میں بتا نہیں دیا ہے کہ ''یہ قرآن تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے گا۔

اندھوں کا دیس میں

انگریزی ناول "اندھوں کے دیس میں" ناول نگار ''ہربرٹ جے ویلز'' نے اس کو پہلی مرتبہ 1936 میں پبلش کیا تھا اور آج بھی یہ ناول پبلش ہورہا ہے، اس کہانی میں مصنف ہمیں ایک عجیب و غریب بیماری کے بارے میں بتاتا ہے۔ برف پوش پہاڑوں کے بیچوں بیچ دنیا سے الگ تھلگ ایک کٹے ہوئے دور افتادہ گاؤں میں جوائینڈس [پیلیا] کی بیماری پھیل گئی تھی، اور اس بیماری نے گاؤں کے تمام مکینوں کو اندھے پن کی بیماری میں مبتلا کردیا تھا۔

اس بیماری کے بعد سے اس گاؤں کا دنیا سے رابطہ بالکل منقطع ہوگیا تھا۔ کوئی آنکھ سلامت نہ رہی تھی، کوئی شخص گاؤں چھوڑ کر باہر نہ جاسکتا تھا۔ سو یہ تمام لوگ مکمل طور پر اندھوں میں تبدیل چکے تھے اور ان کی اولادیں بھی نسل در نسل نابینا پیدا ہونے لگی تھیں۔ گاؤں کے سب مکین اندھے ہو چکے تھے اور ان میں ایک بھی آنکھ سلامت نہ تھی، کوئی بھی دیکھنے والا شخص اب باقی نہ بچا تھا۔

ایک دن ایک کوہ پیما نیونز غلطی سے وہاں آنکلا، جب وہ پہاڑ سر کرنے کی مشق کر رہا تھا تو اچانک اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ پہاڑ کی ایک بلند و بالا چوٹی سے سیدھا نیچے اس گاؤں میں گر گیا۔ نیونز کو کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ کیونکہ یہ برفانی گاؤں گھنے درختوں سے ڈھکا رہتا تھا، اور نیونز کو ان درختوں نے اپنی گود کا سہارا دے کر بچا لیا تھا۔ چنانچہ وہ نیچے اُترا اور جب اس نے گاؤں کا تشویشناک منظر دیکھا تو اس کا پہلا تبصرہ یہ تھا؛ "اس گاؤں کے کسی بھی گھر میں روشنی کے لئے کھڑکیاں نہیں بنی ہوئی تھیں، اور گھروں کی دیواروں کو مختلف رنگوں کے پینٹس سے بے ترتیب انداز میں پینٹ کیا گیا تھا"۔

یہ منظر دیکھ کر نیونز نے اپنے دل میں کہا کہ؛ ''جس کسی نے بھی یہ گھر بنائے ہیں وہ ضرور اندھا ہوگا۔'' چنانچہ یہ کوہ پیما گاؤں کے عین بیچوں بیچ پہنچ گیا اور لوگوں کو پکارنے لگا - اس نے دیکھا کہ لوگ اس کے قریب سے گزر تے جا رہے ہیں اور کوئی بھی اس کی طرف مڑ کر نہیں دیکھ رہا، یہاں تک کہ نیونز کو پتہ چل گیا کہ وہ واقعی اندھوں کے دیس میں موجود ہے!

وہ گاؤں کے لوگوں کے ایک گروہ کے پاس پہنچ گیا، اور انہیں جاننے کی کوشش کرنے لگا: کہ یہ کون لوگ ہیں، اور کیا حالات تھے جس کی وجہ سے یہ سب نابینا ہوگئے، یہ لوگ اب کیسے دیکھتے ہیں، کیسے زندگی گزارتے ہیں اور دوبارہ کیسے ٹھیک کئے جاسکتے ہیں-

اس نے لوگوں کے سامنے اپنے سوالات بار بار دہرائے کہ: وہ کیسے دیکھتے ہیں؟ اور آنکھوں کے بغیر کیسے رہ لیتے ہیں؟ اندھے لوگوں نے اس کو سیدھا سادہ جواب دینے کے بجائے الٹا نیونز کا مذاق اُڑایا اور وہ اس کو طنز و استہزا کا نشانہ بنانے لگے۔ یہ نابینا افراد اپنی دیوانگی کی حالت میں اس سے زیادہ آگے بڑھ گئے جب انہوں نے اس کوہ پیما کو کہا کہ وہ نارمل انسان نہیں ہے کیونکہ اس کی آنکھیں ہیں وہ دیکھ سکتا ہے، نارمل انسان تو وہ ہوتا ہے جو دیکھ ہی نہ سکتا ہو!

اس گاؤں والوں نے اسے دیوانہ بنا دیا اور کچھ لوگوں نے اس کو بتایا کہ وہ اس کا مذاق اڑانا تب ہی ترک کریں گے جب وہ اپنی آنکھیں نکال دے گا، اور ان کی طرح مکمل طور پر اندھا ہوجائے گا، سب اندھوں نے مل کر اس کو ان کی طرح اندھا ہونے کا کہا۔

اس کہانی کا ہیرو اندھوں کے دیس میں، بینائی کا مطلب سمجھانے میں بری طرح سے ناکام رہتا ہے، کیونکہ اندھا بھلا کیا سمجھے کہ بینائی کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ وہ اس اندھوں کے ملک سے بھاگ گیا اس سے پہلے کہ وہ لوگ اس کی آنکھیں نکال دیتے وہ یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا تھا کہ بھلا ان بیمار لوگوں کا اندھا پن کیسے ٹھیک کیا جاسکتا ہے، جب وہ آنکھوں والے تندرست شخص کو ہی بیمار سمجھتے ہیں؟

"اندھوں کا دیس" ہر وہ معاشرہ ہے جس میں جہالت، کم علمی، کرپشن، بدعنوانی، پسماندگی، غربت، تشدد اور ہٹ دھرمی کا غلبہ ہو، اور کوئی بھی اہل بصیرت آواز جب اُٹھے تو اس کو رَد کر دیا جاتا ہو؛ جہاں حکیم، صاحب علم و حکمت اور دانشمندوں کو لوگوں کی جہالت، کج فہمی اور کم عقلی اور تشدد کا سامنا ہو۔

ہر وہ ملک "اندھوں کا دیس ہے" جہاں پوری قوم چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم در تقسیم ہو چکی ہو، اور لوگوں کا ہر گروہ خود کو افضل سمجھے اور دوسرے ہر گروہ سے نفرت رکھتا ہو۔ ہر وہ دیس "اندھوں کا دیس ہے" خود سے مختلف ہر دوسرے شخص کو نقصان پہنچانے، تکلیف دینے کا جھوٹا جواز تلاش کر کے اس پر ظلم و ستم کیا جاتا ہو۔ پاکستان میں عقل کے اندھے مذہبی مریض رہتے ہیں۔

اندھوں کا دیس ہر وہ معاشرہ ہے جہاں لوگوں کو بس اس چیز سے سروکار ہو کہ انہوں نے دوسروں سے کیا لینا ہے، نہ کہ انھیں کیا دینا ہے! پاکستانی مسلمانوں قرآن میں تمہارے ہی اندھے پن کا ذکر ہے، اس میں غور و فکر سے کام لو لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ () وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (انبیاء۔ 21/10,11) لوگو! یہ کتاب جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے، اس میں تمہارے ہی مسائل کا ذکر ہے o اور بہت سی بستیاں ہم نے تباہ کردیں۔ جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم کو پیدا کر دیا o۔ اللہ کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ اُٹھائیں، بصیرت سے کام لیں اندھے بن کر وقت نہ گزاریں، وقت باقی نہیں ہے

ڈاکٹر راشد شاز

مسئلہ فلسطین پر ایک نئی پہل کی ضرورت

مسلمان اپنے تمام تر فکری زوال اور ملّی انحطاط کے باوجود اس نکتے سے نا آگاہ نہیں کہ دنیا میں قیام امن کی ذمّہ داری دوسری اقوام کے مقابلے میں ان پر کہیں زیادہ عائد ہوتی ہے۔ آخری رسولؐ کی امّت کی حیثیت سے تاریخ کے آخری لمحے تک متبعّین محمدؐ کو رحمۃ للعالمینی کا فریضہ انجام دینا ہے گویا دنیا میں اب خیر کے تمام معرکوں کی قیادت ان ہی کو کرنی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب خدا کے آخری پیغام کی تحمیل کا شرف انھیں حاصل ہے۔

مسلمان اگر اس نظری منصب پر فائز ہوتے اور رحمۃ للعالمینی کے فلاحی پروجیکٹ میں ان کا اقدامی (pro-active) رویّہ برقرار رہتا تو آج دنیا کا منظر نامہ یکسر مختلف ہوتا۔ لیکن افسوس کہ اسلام کی ابتدائی چند صدیوں کے بعد سے ہی مسلمانوں میں اس عظیم نبوی منصب کا شعور دھندلا ہوتا گیا، یہاں تک کہ اموی اور عبّاسی سلسلۂ حکمرانی آگے چل کر بڑی حد تک امپائر بلڈنگ کے کام میں لگ گئیں۔ ابتدا میں تو ایسا محسوس ہوا کہ اسلام کی نظری آمیزش اگر خالص نوآبادیاتی پروجیکٹ میں بھی شامل ہو جائے تو اس سے اقوام عالم کی مسیحائی کا بڑا کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ اسی نظری آمیزش کا اثر تھا جس نے اسپین کی اموی حکمرانی اور برصغیر کی مغل شہنشاہی پر اخلاقی اور روحانی دبدبہ کو قائم رکھنے میں مدد دی۔ البتّہ اسلام کے یہ مختلف قالب جو عسکری طور پر مختلف زمانے اور مختلف خطّوں میں اپنی اثر انگیزی کا ثبوت دیتے رہے، رفتہ رفتہ اپنے اصل انبیائی قالب سے اتنے دور ہو گئے تھے کہ مسلسل تین سو سالوں کی خون آشام جدو جہد کے باوجود عثمانی ترکوں کی زبردست مزاحمت بھی اس ڈھانچے کو گرنے سے نہ بچا سکی۔ ۱۹۲۴ء میں سقوط خلافت کے بعد جو کریہہ منظر نامہ ہمارے سامنے آیا وہ اتنا بھیانک تھا کہ اس نے بڑے بڑے حقیقت پسندوں کے حواس معطل کر دیے۔ وہ امّت جو کبھی اقوامِ عالم کی رہنمائی پر مامور تھی، اس کا ایک جسد واحد کے طور پر برقرار رہنا مشکل ہو گیا۔

مسلمانوں میں فکر و نظر کا یہ زوال کوئی نیا عمل نہ تھا البتّہ عسکری برتری اور شخصی حکومت کے مختلف سلسلوں نے اس صورت حال پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ عامۃ المسلمین اس خوش فہمی میں جیتے تھے کہ وہ اب بھی محمد رسول اللہ کے انقلاب انگیز پیغام کے امین ہیں اور یہ کہ آج بھی ان کے دم سے دنیا کی مسیحائی

وابستہ ہے۔ گو کہ اہلِ نظر ہماری تاریخ کے مختلف دور میں زوالِ فکر و نظر کا شکوہ کرتے رہے ہیں اور ہزیمت کے مختلف موقعوں پر ہمارے یہاں یہ بحث بھی جاری رہی ہے کہ ہم تاریخ کے طویل سفر میں اپنے اصل مشن سے دور جا پڑے ہیں، لیکن پہلی جنگِ عظیم کے بعد امّت کو جس چشم کشا اور لرزہ خیز صورت حال کا سامنا تھا اس نے بڑے بڑے اہلِ فکر کے حواس معطل کر دیے۔

پہلی جنگِ عظیم میں ترکی کی شکست نے صرف خلافت کے علامتی ادارے کو ہی ختم نہیں کیا بلکہ (Sykes-Picot Treaty) کے اسرار و عواقب نے مسلمانوں کے مقابلے میں یہود و نصاریٰ کے اتحاد کی گویا پہلی اینٹ رکھ دی۔ آگے چل کر ارض فلسطین میں ریاست اسرائیل کا قیام اور پھر آرمیگاڈان کی راہ ہموار کرنے کے لیے خلیجی جنگوں کا سلسلہ اسی نامبارک عمل کا تسلسل ہے جس کے واقعی تحلیل و تجزیے کی کوئی وقیع کوشش سچ پوچھیے تو اب تک عالمِ اسلام میں نہیں ہو سکی ہے۔ مسلم اہلِ فکر نہ صرف یہ کہ صورتحال کی نزاکت سے پوری طرح آگاہ نہیں بلکہ من حیثُ الامّت اب تک اس سلسلے میں ہمارا رویّہ دفاعی نوعیت کا رہا ہے۔ ہم گزشتہ پچاس ساٹھ سالوں سے دوسروں کے اقدامی عمل پر اپنی مزاحمت درج کراتے رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم مسلسل پسپائی کے شکار خود کو ایک ایسی بند گلی میں پاتے ہیں جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سنگین صورت حال کا ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ گہرائی سے تجزیہ کیا جائے، جب ہی ہم مسئلہ پر کسی اقدامی عمل کی پوزیشن میں ہو سکتے ہیں۔

مذہبی یہودی اور شدّت پسند عیسائی جو حضرت مسیح کی آمد ثانی کی راہ ہموار کرنے کے لیے مشرق وسطیٰ میں تاریخ کی سب سے بڑی جنگ کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں، دراصل تاریخ کی اساطیری تفہیم کا شکار ہیں۔ اہلِ یہود کو یہ اُمید ہے کہ مسیحا کی آمد ان کی عظمت رفتہ کی بازیابی کا سبب بنے گی، داؤد وسلیمان کی حکومتوں کا سابقہ جاہ و چشم لوٹ آئے گا اور اقوامِ عالم پر اہلِ یہود کی فضیلت دوبارہ قائم ہو جائے گی۔ دوسری طرف عیسائی روایت پرست یہ اُمید لگائے بیٹھے ہیں کہ فلسطین میں یہودی معبد کی تیسری تعمیر سے حضرت مسیح کی آمد ثانی یقینی ہو جائے گی جس کے بعد تاریخ کی کمان کُلی طور پر ان کے متبعّین کے ہاتھوں میں ہو گی۔ گویا روایت پرست عیسائیوں کا مفاد اس امر سے وابستہ ہے کہ فلسطین میں بہر طور صہیونی منصوبہ آگے بڑھے۔ روایت پرست عیسائی جو فی زمانہ امریکی سیاسی نظام میں خاصے مؤثر ہیں ارض فلسطین میں ایک فیصلہ کن معرکے کے لیے بڑی سے بڑی قیمت چکانے کو تیار ہیں۔ اہلِ یہود اور عیسائیوں کے اساطیری اور خلافِ عقل طرزِ فکر نے نہ صرف یہ کہ عالمِ اسلام کو ایک سنگین صورت حال

سے دوچار کر دیا ہے بلکہ ان غیر عقلی رویّوں سے عالمی امن کو بھی سخت خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

معاصر دنیا میں یہودی خود کو ایک عجیب صورت حال سے دوچار پاتے ہیں۔ پچھلے دو ہزار سالوں میں یہ پہلا موقع ہے جب ارضِ فلسطین میں ایک اسرائیلی ریاست نہ صرف یہ کہ قائم ہے بلکہ دنیا کی واحد سُپر پاور اس کی اطاعت کا دم بھرنے پر مجبور ہے۔ عملی طور پر یروشلم اسرائیلی ریاست کا حصّہ ہے لیکن اس کے باوجود اہلِ یہود کے لیے اب تک یہ ممکن نہیں ہو سکا کہ وہ تیسرے معبد کی شکل میں اپنے دیرینہ خواب کی تکمیل کر پاتے۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیلی ریاست کا قیام یہودیوں کے لیے ایک معجزہ سمجھا جاتا تھا اور جب ۶۷ء کی چھ روزہ جنگ میں غیر متوقع طور پر یروشلم کا مقدس شہر بھی اسرائیل کی جھولی میں آ گرا تو پوری یہودی دنیا ایک طرب انگیز کیفیت سے دوچار ہو گئی۔ ایسا محسوس ہوا گویا خدا نے دوبارہ اہلِ یہود پر اپنا دست شفقت رکھ دیا ہے۔ لیکن اس طرب انگیز ایام میں بھی اگر اہلِ یہود بیت المقدس کے علاقے میں تیسرے معبد کی بنیاد نہ رکھ سکے تو اس کی وجہ بڑی حد تک فقہی اور مذہبی پیچیدگیاں تھیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہودی فقہ کے مطابق اس وقت تمام یہودی عالمِ ناپاکی میں ہیں اور ایسی حالت میں اگر کوئی شخص تیسرے معبد کی حدود میں قدم رکھے گا تو اس کی سزا موت ہے۔ طہارت کے لیے لازم ہے کہ ایک ایسی سرخ گائے کی راکھ سے تیمّم کیا جائے جس کی قربانی ایک کاہن کی نگرانی میں عمل میں آئی ہو۔ معبد کے لئے مقامِ محراب (alter) کا تعین بھی بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس مقام کا تعیّن عام ربائیوں کے بس کی بات نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب دوسری دفعہ معبد کی تعمیرِ نو ہوئی تھی تو اس وقت ایسے مشاہدین موجود تھے جو اس مقام کی نشان دہی کر سکیں لیکن آج اس مقامِ مقدس کی نشان دہی کے لیے دنیا میں کوئی شخص موجود نہیں۔ اہلِ یہود کا ایمان ہے کہ تیسرے معبد کی تعمیر سے پہلے ان کے ایک برگزیدہ پیغمبر علیجاہ کا ظہور ہو گا جو وثوق کے ساتھ اس مقام کی نشاندہی کر سکے گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تیسرے معبد کی تعمیر علیجاہ کی نگرانی میں ہو گی۔ سرخ گائے کی قربانی کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ اہل یہود میں ایک ربائی اعظم موجود ہو جسے اکہتّر ربائیوں کی مجلس (Sanhedrin) نے منتخب کیا ہو۔ اس مجلس کا رکن ہونے کے لیے لازم ہے کہ متعلقہ ربائی کی سندِ یافتگی کا سلسلہ سینہ بہ سینہ حضرت موسیٰ تک جا پہنچتا ہو۔ مصیبت یہ ہے کہ اہلِ یہود کے اپنے تاریخی بیان کے مطابق عیسائی حکمراں قسطنطین (Constantine) کے استبدادی ہتھکنڈوں کے زیرِ اثر ۳۵۸ء میں یہودی ربائی روایت کا یہ تسلسل ٹوٹ گیا۔ پھر یہودی دنیا ابھی تک اس مسئلہ کا بھی کوئی حل دریافت نہیں کر پائی ہے کہ تیسرے معبد کی تعمیر

سے قبل اہلِ یہود کے حتمی نجات کے لیے جن دوسرے دس گُم شدہ قبائل کی واپسی لازمی ہے وہ اس وقت کہاں ہیں اور کب آئیں گے۔ بعض یہودی روایتوں کے مطابق مسیحا کی آمد سے قبل پیغمبر علیجاہ کا ظہور ہو گا۔ اور چوں کہ علیجاہ سینہ بہ سینہ ربائی سلسلے میں حضرت موسیٰ سے جا ملتے ہیں، ان کے بارے میں یہ خیال بھی عام ہے کہ وہ یہودیوں کی مجلس اعلیٰ (Sanhedrin) کی تنظیمِ نو کریں گے۔

یہ ہے وہ منظر نامہ جس نے اہلِ یہود کو تمام تر قوت و سطوت کے باوجود تیسرے معبد کی تعمیر سے روکے رکھا ہے۔ رہے سیکولر یہودی تو وہ انتظار کی زحمت میں اپنا وقت گنوانا نہیں چاہتے۔ سچ پوچھیے تو ریاست اسرائیل کا قیام سیکولر اور (Zionist) یہودیوں کی کوششوں سے ہی ممکن ہو سکا ہے۔ مذہبی یہودیوں کے بعض حلقے آج بھی ریاست اسرائیل کو خدائی اسکیم کے خلاف ایک مصنوعی عمل سمجھتے ہیں۔ وہ اس خیال کا اظہار کرتے نہیں تھکتے کہ جب تک اہلِ یہود کی وافر تعداد اسرائیل میں جمع نہ ہو جائے تیسرے معبد کی تعمیر کا کوئی جواز نہیں ہے۔ بعض حلقوں سے ایسی آوازیں بھی آتی رہتی ہیں کہ ارضِ کنعان میں مستقبل کی جنگ میں چوں کہ اہلِ یہود کی غالب آبادی کا صفایا ہونا ہے اس لیے اہلِ یہود کے ارتکاز کی یہ مصنوعی کوشش ایک شیطانی اسکیم کا حصّہ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان مختلف الآراء آوازوں کے باوجود آج اسرائیلی ریاست ایک حقیقت ہے۔ سیکولر یہودی تمام حلاقائی یا فقہی اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی بالادستی کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہیں۔ البتّہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود معبد کی تعمیر کا کام اگر اب تک سرد مہری کا شکار رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آگے کا مرحلہ فقہ یہود میں ایک بڑی اور بنیادی تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں۔ سیکولر یہودیوں کو اس خیال سے بھی وحشت ہوتی ہے کہ اگر معبد اپنے پُرانے قالب میں تمام تر جزئیات کے ساتھ وجود میں آ بھی گیا تو جانوروں کی اتنے بڑے پیمانے پر قربانیاں، خون چھڑکے جانے کی رسم اور گوشت کے جلتے رہنے کی ناگوار مہک کیا موجودہ دنیا کے لیے قابلِ قبول ہو سکے گی؟ دیکھا جائے تو یہودی جاہ و حشم کا یہ منصوبہ جس میں معبد کی تیسری تعمیر کو مرکزی مقام حاصل ہے، ایک پیچیدہ فقہی حصار میں پھنس کر رہ گیا۔

دوسری طرف ایک مفروضہ خدائی منصوبے کو مصنوعی طریقے سے مہمیز دینے کی سیکولر مساعی بھی مسائل سے دوچار ہے۔ اُنیسویں صدی میں جب مشرقی یورپ کے یہودی اہلِ فکر نے یہودیوں کو ارضِ فلسطین کی طرف مراجعت کا مشورہ دیا تھا اس وقت یہ دلیل سامنے لائی گئی تھی کہ مسیحا کی آمد کا وقت قریب ہے سو تمام دنیا کے یہودیوں کو چاہیے کہ وہ فلسطین میں مسیحا کے استقبال کے لیے جمع ہوں۔ اس

فقہی حیل نے فلسطین میں یہودی آباد کاری کے منصوبے کو ایک مذہبی تحریک کی شکل دے دی۔ جو آگے چل کر ایک سیکولر، غیر توراتی ریاست، اسرائیل کے قیام پر منتج ہوئی۔ سیکولر یہودی کوئی ساٹھ برسوں سے قومِ یہود کی مذہبی فکر میں اسرائیل کو کلیدی مقام عطا کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے ریاست اسرائیل میں یہودی آباد کاری کو ایک مذہبی فریضہ کے طور پر پیش کیا حتّٰی کہ آج اسرائیل کے مختصر سیاحتی سفر کو بھی عالیہ کا نام دیا جاتا ہے۔ پوری دنیا کے یہودیوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی گئی کہ ان کی زندگی کا مقصدِ وحید ریاست اسرائیل کو استحکام پہنچانا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس ہنگامہ خیز تحریک کے نتیجے میں دنیا کے مختلف خطّوں سے لاکھوں یہودیوں نے اسرائیل کو اپنا مسکن بنایا ہے لیکن اب ساٹھ سالوں کے بعد صاف محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ کو مہمیز کرنے کی مصنوعی کوشش بہت تیزی سے اپنا اثر کھو رہی ہے۔ اوّلاً ساٹھ سالوں کی سرتوڑ جدوجہد کے باوجود یہودیوں کی غالب آبادی اب بھی اسرائیل سے باہر ہے جس کے بغیر مسیحا کی آمد کا خیال عبث ہے۔ ثانیاً ۴۸ء میں قیام اسرائیل کے وقت اور ۶۷ء میں اسرائیل کی غیر متوقع فتح کے بعد اہلِ یہود کے سروں پر خدائی دست شفقت کا جو احساس پایا جاتا تھا، وہ مقدس بخار اب بڑی حد تک رخصت ہو چکا ہے۔ یہودیوں کی نئی نسل اسرائیل کے سلسلے میں نہ صرف یہ کہ سرد مہری کا شکار ہے بلکہ بعض سروے پر اگر یقین کیا جائے تو نوجوان یہودیوں (عمر ۱۸ تا ۲۹ سال) کی ایک تہائی آبادی اسرائیل سے ہجرت کرنے کی سوچ رہی ہے۔ مغرب میں پروان چڑھنے والی نئی یہودی نسل اس نکتے کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان کی زندگی کا مقصد ہزاروں میل دور ایک ریاست کو استحکام فراہم کرنا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ نئی نسل اسرائیلی حکمرانوں کی بدعنوانیوں اور ان کے جنگجویانہ عزائم کی بھی شاکی ہے۔ یہودی دانشوران نوجوانوں کو ٹھنڈے یہودی (Cool Jew) کا نام دیتے ہیں۔ گویا ساٹھ سال پہلے اسرائیل کا وجود جس طرح مختلف یہودیوں کے لئے نقطۂ اتحاد تھا اور جس نے دو ہزار سالہ بے وطن یہودی شناخت کو ایک نقطۂ اتصال عطا کیا تھا اب اس کا سحر بڑی حد تک ختم ہو چکا ہے۔ یہودی تنظیمیں اس صورت حال پر ماتم کناں ہیں کہ ہندوستان میں تفریح کی غرض سے آنے والے بہت سے یہودی نوجوان پُرسکون زندگی کا لطف لینے کے بعد دوبارہ اسرائیل واپس جانا نہیں چاہتے۔

یہودی نقطۂ نظر سے اگر مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ دو سو سال کی شب و روز جدوجہد کے باوجود اہلِ یہود ابھی اپنے اہداف سے خاصے دور ہیں اور شاید اس راہ کی فقہی اور حلاقائی پیچیدگیاں آنے والے دنوں میں بھی ان کا راستہ روکے رکھیں۔ ہاں اس پورے قضیے میں یہ ضرور ہوا کہ

روایت پرست عیسائی حلقوں نے مسیح کی آمد ثانی کی راہ ہموار کرنے کے لیے یہودی قوم کو مسلسل ان مسلمانوں سے نبرد آزما کر رکھا ہے جن کے سایۂ عاطفت میں یہودی قوم نے صدیوں پُرامن اور پُرسکون زندگی کا لطف لیا ہے اور جس کے تاریخی شواہد سے یہودی مؤرخین کی کتابیں بھی خالی نہیں۔ مسیح کی آمد ثانی کے شوق میں عیسائی حلقوں نے تاریخ کو جس سرعت کے ساتھ آگے لے جانا چاہا ہے اس کی سب سے بڑی قیمت اہلِ یہود کو چکانی پڑی ہے۔ ان کی مذہبی شناخت جو پچھلے دو ہزار سالوں سے (galute) یا جلاوطنی سے عبارت تھی ایک خالصتاً سیکولر، غیر توراتی ریاست کے تابع ہو کر رہ گئی ہے۔ ارضِ فلسطین میں یہودی حکمرانی اور آباد کاری کا سامان تو فراہم ہو گیا لیکن داؤد و سلیمان کا روحانی اور اخلاقی ورثہ قصّۂ پارینہ بن گیا۔ Temple Mount پر خدا کی تقدیس کا جلوہ اب بھی ان کی رسائی سے دور ہے۔ ایک غیر توراتی ریاست اور اس کے کارندے ایک خالص مذہبی نوعیت کے پروجیکٹ میں خود کو اجنبی محسوس کرتے ہیں۔ ساٹھ سال گزرنے کے بعد، اب بھی ریاست اسرائیل کے باشندے اس بنیادی سوال سے دوچار ہیں کہ وہ مختلف ملکوں سے پُرآسائش زندگی چھوڑ کر یہاں کس لیے جمع ہیں۔ مسیحا کب آئے گا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ عیسائی زائچہ نویسوں کے آلہ کار بن گئے ہوں جو بہر قیمت مسیح کی آمد ثانی کے لیے مشرق وسطیٰ میں ایک آرمیگاڈان برپا کرنا چاہتے ہیں۔ گذشتہ دنوں (Harzliya) کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے ایک نوبل انعام یافتہ یہودی عالم پروفیسر اسرائیل اومان نے اسی سنگین صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خبردار کیا تھا کہ ریاست اسرائیل فی زمانہ اپنے وجود کے خطرے سے دوچار ہے اور یہ اس صورت حال کا لازمہ ہے جسے ہم (Post-Zionism) کہہ سکتے ہیں۔

اس دوران گوکہ مسلم دنیا اہلِ یہود کے اساطیری ذہن کی مسلسل زد پر رہی ہے۔ البتہ ہماری طرف سے اس اساطیری ذہن کے مالہ و ماعلیہ کو سمجھنے کی سنجیدہ اور ہمدردانہ کوشش شاید اب تک نہیں کی گئی ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان جو نظری طور پر تمام اقوام عالم کی مسیحائی پر مامور ہیں علمائے یہود کو اس اساطیری طرزِ فکر سے نجات دلانے کی کوئی باقاعدہ کوشش نہ کرتے۔ ایسا اس لیے بھی ہوا کہ ابتدائی مراحل میں فلسطینی مزاحمت کاروں کی قیادت پر سیکولر ذہن کا غلبہ تھا جو مسئلہ فلسطین کو ایک خالص قومی جدوجہد سمجھتے تھے۔ البتہ بعد کے ایّام میں بالخصوص ۶۷ء کی جنگ کے بعد جب سیکولر قیادت کا اعتبار جاتا رہا اور رفتہ رفتہ اس کی جگہ دینی تنظیموں نے لے لی تو اس جدوجہد کی قیادت بڑی حد تک مذہبی قائدین کے ہاتھوں میں آگئی جن کا مؤقف یہ تھا کہ ارضِ فلسطین کی حیثیت چوں کہ وقف اراضی کی ہے جس پر

تمام امّت کا مشترکہ ورثہ ہے اس لیے اس سرزمین کے کسی حصّے کا بھی سودا نہیں کیا جاسکتا۔ جہادی تنظیموں نے مسئلہ کو عسکری طور پر حل کرنے کی کوشش کی جس سے بیسویں صدی میں جذبۂ شہادت کی عظیم تاریخ لکھنے میں تو ضرور مدد ملی البتّہ اسرائیلی ریاست کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کا ہدف ہنوز ایک دور افتادہ خیال ہے۔ ساٹھ سالہ کشت وخون کے بعد اہلِ یہود کو اب یہ فکر ستانے لگی ہے کہ محض قوت کے بل پر مسلسل خوف اور نفرت کے ماحول میں نہ تو کسی ریاست کی صحت مند تعمیر ہوسکتی ہے اور نہ ہی نئے مستقبل کی اُمید میں پوری قوم کو بہت دنوں تک انتظار میں رکھا جاسکتا ہے۔ یہودی شدّت پسندوں میں دو ریاست کے فارمولے کی قبولیت اور فلسطینی جاں بازوں میں اس خیال کے لیے نرم گوشہ ہونا اسی بات کی غمّازی کرتا ہے کہ دونوں طرف اس بند گلی سے نکلنے کی ضرورت کا احساس پایا جاتا ہے۔ سچ پوچھیے تو اب تک مسئلہ فلسطین پر مسلمان محض مزاحمت کی پالیسی پر عمل پیرا رہے ہیں۔ وہ دوسروں کی پیش کردہ تجاویز پر ہی ردّعمل ظاہر کرتے رہے ہیں۔ خود ان کی طرف سے اقدامی عمل کا ڈول ڈالا جانا ابھی باقی ہے۔

شاید اب وقت آپہنچا ہے کہ مسلمانوں کے اہلِ فکر کمال ہمدردی اور نصح وخیر خواہی کے جذبے کے ساتھ یہودی ذہن کو ان اساطیری گرداب سے نجات دلانے کے لیے سامنے آئیں جس نے نہ صرف یہ کہ یہودی دنیا کو ایک سرابِ مسلسل کے تعاقب میں مبتلا کردیا ہے بلکہ اس خیال نے توحید کی حامل دو قوموں کو گذشتہ نصف صدی سے باہم برسرِ پیکار کر رکھا ہے۔ خیر امّت کی حیثیت سے مسلمانوں کا یہ دینی فریضہ ہے کہ وہ علمائے اہلِ کتاب کو ان التباساتِ فکری سے نکلنے میں مدد دیں جس کے سبب آنے والے دنوں میں فلسطین کی سرزمین کے ملحمۂ کبریٰ میں تبدیل ہوجانے کا خطرہ ہے۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ جب مسلم اہلِ فکر اہلِ یہود کے خداترس علماء کا مؤقف سمجھنے کے لیے انھیں مکالمے کی دعوت دیں۔ ہماری طرف سے اہلِ یہود کو یہ پیغام جانا چاہیے کہ ہم کوئی اور نہیں براہیمی سلسلے کے آخری امین ہیں۔ اگر تمھاری توقعات کے مطابق آنے والے دنوں میں مسیح کا واقعی ظہور ہوجاتا ہے تو ہم حضرت مسیح پر بیت المقدس کا سنہری دروازہ بند کرنے کی جسارت کیسے کرسکتے ہیں۔ کیا اہلِ یہود کے حق پرست افراد ہماری صدیوں پر محیط فیاضانہ میزبانی سے انکار کرسکتے ہیں؟ کیا وہ ہم نہیں تھے کہ جب خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کی قیادت میں فلسطین میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے تو **Mount Morya** کی عظمت کی بحالی کی خاطر اسے دوبارہ خدائے واحد کے سجدوں سے آباد کیا تھا تب ہمیں یہ گوارہ نہ ہوا کہ داؤد سلیمان کی باقیات کو کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بنا رہنے دیں۔ وہ ہم ہی تھے جس نے ۱۳۵۹ء میں دیوارِ گریہ کی

نشان دہی کی تھی اور یہ کہہ کر اسے اہلِ یہود کے حوالے کیا تھا کہ شاید یہ تمہارے معبد کی باقیات میں ہو۔ خدائے واحد کے آگے دیوارِ گریہ کے سایے میں تمھاری عبادتوں کو ہم تب بھی فال نیک تصوّر کرتے تھے اور آج بھی جب اہلِ یہود اور مسلمانوں کے مابین نفرتوں کی فصیل کھڑی ہوگئی ہے ہم تمہاری عبادتوں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آنے والے دنوں میں اگر مسیح کا واقعی ظہور ہوگیا تو ہم ان کے لیے دل ونگاہ بچھانا اپنی خوش بختی نہ سمجھیں گے۔ گو کہ آنے والا آچکا اب وہ کبھی نہ آئے گا۔ لیکن تم ماضی کے طلسم میں گرفتار ایک خیالی دنیا کی اُمید لیے بیٹھے ہو۔

دوسری طرف کچھ یہی حال عیسائی روایت پرستوں کا ہے جو مسیح کی آمد ثانی کے لیے تمہارے ہاتھوں ملحمۂ کبریٰ برپا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مستقبل کے سلسلے میں یہ موہوم اندیشے مسلمانوں میں نہیں پائے جاتے۔ ہمارے یہاں بھی بعض حلقے مسیح کی آمد ثانی اور بعض حلقے امام غائب کے ظہور کے منتظر ہیں بلکہ بعض روایتوں کے مطابق تو انھوں نے دمشق میں سفید گنبد کے اوپر فرشتوں کے جلو میں بادلوں کے سایے میں مسیح کے نزول کی تفصیلات بھی مرتّب کر رکھی ہیں۔ تم ان باتوں کو کج فکری پر محمول کرو یا اسے حقیقت جانو کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ کشت وخون کے اس سلسلے کو اس وقت تک کے لیے ملتوی کردیا جائے جب تک کہ مستقبل کا مطلع پوری طرح صاف نہیں ہوجاتا کہ اگر مسیح کا نزول واقعتاً دوبارہ ہوتا ہے تو تم ہمیں ان کی قیادت میں اپنے ساتھ شریک وسہیم پاؤ گے۔ قرآن کا مؤقف ہے کہ "فی قومِ موسیٰ امة یهدون بالحق" ہم پر لازم ہے کہ ہم قومِ موسیٰ کے خداترس نفوس کو بلا پس وپیش ایک بے تکلّف مباحثے کی دعوت دیں جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے۔ یا﴿ اهل الکتاب تعالوا الیٰ کلمةٍ سواءٍ بیننا و بینکم﴾۔

فرقہ پرستی ذلت کی زندگی ہے

بے شک فرقہ پرست غلط ہے،، ان کے اکابران کے امام، ان کے پیر، ان کے مولوی جب تک پوری قوم ان سے بیزاری اعلان نہیں کرتی یہ قوم دن بہ دن پستی کی طرف جائے گی اور ان کی حالت آج سے کل اور کل سے اگلے دن بد سے بدتر ہوتی جائے گی۔ اپنے اپنے معاشرے میں اپنے اپنے محلے میں اپنی اپنی گلیوں میں دیکھیں،، جن جن لوگوں نے مولوی اور پیروں کا بائیگاٹ کیا ہے ان کی زندگی دیکھو آپ کو الگ نظر آئے گی ان سے جو مولوی اور کسی پیر کا مرید ہے۔ یہ لوگ خوش ہوں گیان کو تنگی نہیں ہوگی، ایماندار ہوں گے، امانت دار ہوں گے۔۔ فرقہ پرستی ذلت کی زندگی ہے۔۔۔ مدیر

شیخ راشد احمد

انسان اپنے مقدر کا ’’کاتب‘‘ خود ہے

قرآن کہتا ہے کہ انسان اکیلا ہی آیا تھا، اکیلا ہی واپس جائے گا اور اکیلا ہی پھر حشر میں پہنچے گا اور اپنی کرنی کی بھرنی بھگتے گا۔ اس کے ساتھ جانے والی چیز صرف اس کے اعمال ہوں گے جو جاتے وقت اس کے ساتھ جائیں گے اور حشر میں پھر اس کے ساتھ ہو لیں گے۔ مگر ہم قرآن کے برعکس کہتے اور سمجھتے ہیں کہ حشر کے میدان میں ایک ہی دن نوع آدم کا میلہ لگے گا جس میں ماں باپ، بہن بھائی، بیوی بچے سب ساتھ ہوں گے اور اپنی بخشش کا اسکور پورا کرنے کے لئے ایک دوسرے سے نیکیاں مانگتے پھریں گے، لیکن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ مسلمانوں! یہ باتیں قرآن میں نہیں صرف ان روایات کا حصہ ہیں جو قرآن کے الفاظ کے مفہوم کو بگاڑنے کے لئے گھڑی گئی تھیں۔۔ جن میں دراصل یہ بتایا جا رہا تھا کہ حالت نزاع میں اور موت کے بعد کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔

انسان کے مقدر کا فیصلہ انسان کے اعمال سے کیا جائے گا۔ نہ کوئی سفارش مانی جائے گی اور نا ہی کسی کی شفاعت چلے گی۔ جو کچھ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجا ہے اسی سے تمہاری قسمت لکھ دی جائے گی،، قسمت ہے، مقدر ہے۔ تقدیر ہے جسے قرآن اس طرح بیان کرتا ہے کہ اپنی تقدیر اور اپنا مقدر لکھنا خود آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے جس میں اللہ مداخلت نہیں کرتا۔ جو تم نے آج آگے بھیجا ہے کل اس کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ غیر قرآنی عقاعد کے ساتھ تقدیر، قسمت اور مقدر کے مسئلے کو جتنا بھی سمجھائیں کسی کو کچھ سمجھ نہیں آئے گا۔ کیونکہ تقدیر والے مسئلے پر قرآن کی جو تفسیریں کی گئی ہیں لوگ ان کو اس لئے نہیں مانتے کہ وہ حقیقت کو اس کے برعکس پاتے ہیں۔ تقدیر کو کیسے جھٹلا جا سکتا ہے وہ تو ایک زندہ حقیقت بن کر انسان کے سامنے کھڑی ہے، اور لمحہ بہ لمحہ مرتب ہو رہی ہے جسکا کاتب اللہ نہیں بلکہ انسان خود ہے۔ کوئی اسے مانے یا نہ مانے مگر پورے قرآن کا یہی نچوڑ ہے کہ انسان اپنی تقدیر، مقدر اور قسمت کا کاتب خود ہے۔ آخرت تو صرف ان اعمال کے حساب سے ہوگی جو دُنیاوی زندگی میں انسان نے کئے ہوں گے۔ آخرت کے معنی ہی موت کے بعد کی زندگی ہے، یہ تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے خواہ اسے جنت بناؤ یا جہنم میں جاؤ۔ آخرت کی مثالی [ideal] زندگی انسان کے اعمال کے حساب سے عطا کی جائے گی۔

یہ پوری کائنات بطور عطیہ انسان کو مل سکتی ہے
لیکن جنت تیری پنہاں ترے خون جگر میں ہے

سید ناظر علی

قرآن کے انکار کے بعد بھی جنت کی ٹھکیدار

*فَلَا تُطِعِ الكٰفِرِينَ وَ جَاهِدهُم بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا[25/52]

پس تم کافروں کی اطاعت نہ کرو اور ان سے قرآن کے ذریعے جہادِ کبیر کرو O

مذکورہ آیت میں جہاد کی مکمل تعریف کر دی ہے لیکن اندھے اور بہرے کو سمجھ نہیں آ سکتی کافروں کی اطاعت نہیں کرنی کافر جو اللہ کے نازل کردہ قران کے منکر ہیں اور جو اپنے فرقوں کی غیر اللہ کی غیر نازل شدہ کتب پیش کرتے ہیں۔ اللہ ان کافروں سے قرآن کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد کبیرا فرما رہے ہیں۔ عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔ قرآن کا بلاغ جہاد کبیرا ہے۔ اگر آپ کے پاس قرآن کا علم ہی نہیں تو آپ مسلم ہی نہیں لہٰذا قرآن کے علم کے بغیر تلوار والا جہاد فساد الکبیرا ہے

*وَمَا اٰتَينٰهُم مِّن كُتُبٍ يَّدرُسُونَهَا وَمَا اَرسَلنَا اِلَيهِم قَبلَكَ مِن نَّذِيرٍ[34/44]

اور ہم نے تو ان کو یہ غیر قرآنی کتابیں نہیں دیں جن کا وہ درس دیتے ہیں اور نہ ہم نے تجھ سے پہلے ان کے پاس کوئی نذیر بھیجا ہے O

اللہ اپنے عباد کو اپنے غلاموں کو آگاہ کر رہا ہے ما انزل اللہ قرآن کے علاوہ غیر اللہ کی یعنی انسانوں کی لکھی ہوئی کتب سے وہ درس دے رہے وہ کتب میں نے نازل نہیں کی۔ تجھ سے پہلے بھی میں نے جتنے انبیاء سلام علیھم بھیجے ان کے ساتھ بھی ان انکار کرنے والوں نے وحی شدہ کتاب کے مقابلے اپنے بزرگوں کی غیر وحی شدہ کتب پیش کر کے اللہ کی نازل شدہ الکتاب کا انکار کیا تھا اب بھی القرآن کے ساتھ یہی سلوک ہو رہا ہے۔ اور اُمت مسلمہ اُمت متفرقہ بن چکی ہے اور تمام فرقے قرآن کی بجائے اپنے فرقے والی غیر نازل شدہ کتب پیش کرتے ہیں اور ہر فرقہ اپنی فرقہ وارانہ کتاب سے خوش اور مطمئن ہے۔ اللہ کا فرمان حجت ہے۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ المُشرِكِينَ لا[3/31]

اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ 3 / 31*

مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُم وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزبٍ بِمَا لَدَيهِم فَرِحُونَ[30/32]

جن مشرکین نے جو اپنے دینِ وحی القرآن سے الگ ہو گئے اور گروہ بن گئے اور ہر گروہ اور فرقے کے پاس جو خود ساختہ غیر وحی شدہ تھا

اُس غیر قرآنی کتب سے خوش ہو رہے تھے O

اللہ تعالی سورۃ القصص میں فرماتے ہیں قرآن آپ پر فرض کیا ہے

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزَى الَّذِيۡنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ [28/85]

جس اللہ نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو دوبارہ بھی پہلی جگہ لانے والا ہے، کہہ دیجئے کہ میرا رب اسے بھی بخوبی جانتا ہے جو ہدایت لایا ہے اور اسے بھی جو کھلی گمراہی میں ہے O

اس کی تلاوت اور اس کی تبلیغ و عوت آپ پر فرض کی ہے، اور رب خوب جانتا ہے کہ گمراہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے یا تم ہو جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کر رہے ہو۔

مگر افسوس اُمت متفرقہ نے غیر قرآنی سینکڑوں کتب اپنے اوپر فرض کر لی ہیں جس جن کے ذریعہ یہ لوگ دعوت و تبلیغ اپنے اوپر فرض کئے بیٹھے ہیں، یہ کس نے اجازت دی ہے، قرآن کے انکار کے بعد بھی جنت کی ٹھکیدار بنے بیٹھے ہیں۔۔۔ اُمت مسلمہ کو قرآن سے دور کر دیا بلکہ اگر یہ کہا جائے غیر قرآنی اعمال فرض کر کے اُمت سے قرآن چھین لیا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ جس قرآن کا سورۃ المائدہ آیت نمبر 3 میں یہ دعویٰ ہے کہ دین قرآن میں مکمل کر دیا اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اس پر عمل کرنا اللہ نے پسند کیا ہے ......**اَلۡيَوۡمَ يَئِسَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ دِيۡنِكُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا** ۔ آج کفار تمہارے دین سے نا اُمید ہو گئے، خبردار تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا، آج میں نے تمہارے لئے دین کا کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا.......O

اس قرآن میں بچے کے کان میں اذان سے لے کر نماز جنازہ تک کچھ بھی نہیں ملتا۔ ان سے پوچھو جو قرآن میں نہیں ملتا وہ کیسے فرض کر دیا ہے۔ جو قرآن میں ملتا ہے اسے قرآن میں دیکھو اس پر عمل کرو۔ جو قرآن میں ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس پر عمل کرنا فرض ہے۔

قبر میں کوئی ”جزا و سزا“ نہیں ہے،، ایصال ثواب کے تمام ملائی پیکج حرام طریقے سے مال بٹورنے کا ذریعہ اور بہانہ ہے۔

عبدالناصر

قرآن قیامت تک ”لاریب رسول“ ہے

سورۃ البقرہ آیت 143 میں جو رسول اُمت مسلمہ پر قیامت تک گواہ ہے وہ رسول قرآن ہے

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا وَمَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَةَ الَّتِىۡ كُنۡتَ عَلَيۡهَآ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ يَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ يَّنۡقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيۡهِ وَاِنۡ كَانَتۡ لَكَبِيۡرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيۡنَ هَدَى اللّٰهُ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيۡعَ اِيۡمَانَكُمۡ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ [2/143]

اور اس طرح ہم نے تم کو مرکزی جماعت بنا دیا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ (5/8) اور تم پر قرآن (65/10-11) گواہ بن جائے۔ اور ہم نے یہ قبلہ مقرر نہیں کیا جس پر آپ تھے یقیناً یہ اس لئے مقرر نہیں کیا تا کہ ہم نمایاں کر دیں جو رسول کی اتباع کرتا ہے اُس سے جو اپنی ایڑی کے بل وحی سے پھر جاتا ہے اور یقیناً اتباعِ قرآن میں پہلے قبلہ کو بدلنا بڑی گراں بات ہے مگر جن کو اللہ نے ہدایت دی اُن کو مشکل نہیں اور اللہ ایسا نہیں کہ وہ تمہارے ایمان ضائع کر دے یقیناً اللہ لوگوں سے شفقت اور رحم کرنے والا ہے O

سورۃ البقرہ آیت نمبر 143 میں رسول سے مراد قرآن ہے۔۔۔ کیونکہ سورۃ الطلاق آیت نمبر 10 اور 11 میں قرآن کو ذکراً رسولا کہا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں آیات۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكُمۡ ذِكۡرًا [10] رَّسُوۡلًا يَّتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخۡرِجَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡ بِاللّٰهِ وَيَع ؟مَل صَالِحًا يُّدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا قَدۡ اَحۡسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزۡقًا

[الطلاق۔65/10-11]

اللہ نے ان کے لئے سخت ترین عذاب تیار کر رکھا ہے پس تم اللہ کی نافرمانی سے بچو اے عقل والو! جو ایمان لا چکے ہو، اللہ نے تمہاری طرف نازل کر دیا ہے ذکر یعنی قرآن [10] رسول [پیغام] ہے جو تمہارے سامنے اللہ کی واضح آیات پیش کرتا ہے (10/15,,,3/100) تا کہ وہ مومنوں [جو معیاری

عمل] کرتے ہیں،ظلمات سے نور کی طرف نکالے (14/1)۔اور جو اللہ کو ماننے اور معیاری عمل کرے وہ اُسے باغات میں داخل کرے گا جن کے تحت نہریں بہہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہے گا۔اللہ نے اس کو بہترین انعام عطا کیا ہے[65/11]

تفہیمات

ذِكۡرًا [10] رَّسُوۡلًا [11]:

ذِكۡرًا [10] رَّسُوۡلًا کے درمیان رموزِ اوقاف کی علامت لا ہے۔جس کا مطلب ہے لا وقف علیہ کہ اس مقام پر کسی قسم کا وقف نہیں ہے۔ ذِكۡرًا رَّسُوۡلًا دو اسموں کا مرکبِ توصیفی ہے۔گویا ذِكۡرًا کی صفت رَّسُوۡلًا ہے۔اس طرح ذکر یعنی قرآن موصوف ہے اور صفت رسول ہے لہٰذا ہم قرآن کو بھی رسول کہہ سکتے ہیں کیونکہ اللہ نے خود یہاں ذِكۡرًا کو رَسُوۡلًا فرمادیا ہے۔

قرآن قیامت تک ہر زمانے کے لئے ’’لاریب رسول‘‘ ہے

وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ ؕ وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ[ال عمران۔3/101]

اورتم کیسے کفر کرسکتے ہو اس حال میں کہ تم پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہوں اور تم میں اُس کا پیغام پہنچانے والا قرآن (65/10,,11) موجود ہو۔یقیناً جو بھی اللہ کو مضبوط پکڑے پس اُس نے سیدھی راہ پالی O

تفہتم

فِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ [3/101] اُس کا پیغام پہنچانے والا (قرآن) تم میں موجود ہے۔سورۃ ص آیت نمبر1 میں قرآن کو ذِى الذِّكۡرِ میں کہا ہے۔۔۔۔۔ملاحظہ فرمائیں

صٓ وَالۡقُرۡاٰنِ ذِى الذِّكۡرِ [صٓ۔38/1] صٓ۔نصیحت والا قرآن گواہ ہے O

ذِكۡرًا رَّسُوۡلًا [الطلاق۔65/10,11]میں ذکر کی صفت بطورِ رسول آ گئی ہے۔رسول کے دونوں معنی قرآن سے ثابت ہوتے ہیں۔رسول بحیثیت شخص اور رسول بحیثیت پیغام دونوں مراد ہیں۔لہٰذا یہاں [ال عمران۔3/101] میں رسولہٗ سے مراد اُس کا پیغام مراد ہے جو کہ حقیقت میں ہم میں موجود ہے اور اس کی آیات حقیقت میں تلاوت بھی ہو رہی ہیں۔اللہ فرما رہے ہیں پھر تم کیسے اِن آیات کا انکار کرسکتے ہو۔اگر یہ انکار ہو رہا ہے تو پھر یہ بڑی ضد کی بات ہے اور یہ انکار باپ دادا کی روایت اور عقل پرستی کے

سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

ہر اُمت کے لئے رسول ہوتا ہے۔۔وہ از روئے قرآن کون سا رسول ہوتا ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوۡلُهُمۡ قُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ

[سورۃ یونس۔10/43]

اور ہر اُمت کے لئے رسول/پیغام ہے۔جب اِن کا رسول آجائے تو اِن میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے اور ظلم نہیں کیا جاتا O

یہاں رسول پیغام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے [سورۃ الطلاق۔65/10-11] میں ذِكۡرًا رَّسُوۡلًا مرکب توصیفی لا کر ذکر یعنی قرآن کی صفت رسول واضح کر دی ہے کہ محمد سلام علیہ کے بعد اب قیامت تک قرآن لاریب رسول ہے۔

نبی کتاب کے بغیر نبی نہیں کہلا سکتا۔۔۔سورۃ البقرہ آیت نمبر 213 میں فرمایا **فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ وَاَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ** ۔۔۔۔اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل فرمائی،تا کہ وہ اس کے ساتھ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ کر دیں[2/213]

اس آیت میں دو باتیں بالکل واضح ہو رہی ہیں

1:-کوئی نبی کتاب کے بغیر نہیں ہوتا اور کتاب یہاں واحد ہے یعنی شریعت ایک ہی ہے جو نبیوں پر بار بار نازل ہوتی رہی ہے بمطابق [الشوریٰ۔42/12]۔

2:-دوسرا یہ کہ نبی کے ساتھ جو کتاب بالحق نازل ہوتی ہے وہ لوگوں کے اختلافی امور کا فیصلہ کرنے کے لئے ہوتی ہے۔جس کے ساتھ نبی لوگوں کے اختلافی امور کا فیصلہ کرتے تھے۔

تو معاملہ صاف ہے کہ قیامت تک کتاب اللہ کا نظام جو بھی اس زمین پر قائم کرے گا اور زمین میں اللہ کی حاکمیت قائم کرے گا اور وہی مرکزی اتھارٹی زندہ رسول کی ہوگی انتظامی حوالے سے اس کی اطاعت **اطیعوا الرسول** کہلائے گی اور وہی نظام حکومت تنازعات کے فیصلے چھوٹی عدالتوں میں کرے گا اور اگر معاملہ وہاں فیصل نہ ہو تو معاملہ رسول کی طرف یعنی مرکزی اتھارٹی کی طرف لوٹایا جائے گا [النساء۔4/59] سپریم کورٹ یعنی عدالت عظمیٰ میں۔۔۔مجوسی روایات کا یہاں دُور دُور تک کوئی شائبہ تک نہیں۔جب تک قرآن کو اللہ کا اس زمین پر لاریب رسول تسلیم نہیں کیا جاتا **اطیعوا الرسول** کے نام پر مجوسی ائمہ کی کتب سے جان چھڑانا ناممکن ہے۔

شیخ راشد احمد

اللہ کافی ہے، نہ کتاب اللہ

قرآن میں اللہ کے اس اُمت سے دوسوال اور دونوں سوالوں کا جواب یہ اُمت بزبان حال یہ دے رہی ہے کہ ہم مسلمانوں کے لئے'' اللہ کافی ہے نہ کتاب اللہ''۔ پہلا سوال یہ ہے کہ'' کیا اپنے عبد[فرمانبردار/ تابعدار] کے لئے اللہ کافی نہیں ہے؟'' قرآن کی مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمائیں:

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ وَیُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ھَادٍ [الزمر-39/36]

کیا اللہ اپنے عبد کے لئے کافی نہیں ہے جبکہ وہ تو آپ کو ڈراتے ہیں ان سے جو اس کے سوا ہیں، اور جس کو اللہ گمراہ قرار دے اس کے لئے کوئی ہادی نہیں O

جواب یہ ہے کہ یقیناً اللہ اپنے عبد کے لئے کافی ہے، اللہ اپنے عباد کا حامی و ناصر ہو تو اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اللہ ان سب کے مقابلے کے لئے کافی ہے جنہیں یہ قرآن کا رَد کرنے والے اللہ کے مقابلے میں لاتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ'' کیا تمہارے لئے کتاب اللہ[قرآن] کافی نہیں ہے؟''۔

اَوَ لَمۡ یَکۡفِہِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ [العنکبوت-29/51]

معجزوں کے بجائے کیا بھلا ان کو یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب اللہ نازل کردی ہے جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے؟ یقیناً اس میں رحمت اور نصیحت ہے اس قوم کے لئے جو اللہ کو لاشریک مانتی ہے O

یعنی وہ نشانیاں طلب کرتے ہیں، کیا ان کے لئے بطور نشانی یہ قرآن کافی نہیں ہے جو ہم نے نازل کی ہے اور جس کی بابت انہیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اس جیسا قرآن لا کر دکھائیں یا کوئی ایک سورت ہی بنا کر پیش کردیں، جب قرآن کی اس معجزہ نمائی کے باوجود یہ قرآن پر ایمان نہیں لا رہے تو انہیں معجزے دکھا بھی دیئے جائیں، تو اس پر یہ کون سا ایمان لے آئیں گے؟

یعنی ان لوگوں کے لئے جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہے، کیوں کہ وہی اس سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

اللہ کی کتاب کی مخالفت صرف وہ لوگ کریں گے جنہوں نے ظالمانہ نظام زندگی معاشرے میں قائم کر رکھا ہے،، قرآنی تعلیمات پر جب بھی علم و بصیرت کی رُو سے غور کیا جائے گا تو یہ تعلیمات خود اپنی سچائی منوا لے گی، قرآن میں دیئے گئے اصول و ضوابط سے انکار وہ لوگ کریں گے، جنہوں نے ظالمانہ نظام قائم کر رکھے ہوں گے۔۔لوگ کہتے ہیں اگر یہ نبی ہے تو اسے اللہ کی جانب سے معجزے کیوں نہیں دیئے گئے۔۔۔اُن سے کہو اللہ کے ہاں معجزات کی کمی نہیں، لیکن میں تو علیم و بصیرت کی رُو سے تمہیں زندگی کے خطرات سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔کیا کافی نہیں کہ اللہ نے ایک دستور حیات ہماری کی طرف نازل کردیا ہے، جس سے انسان کو روشاس کرا جا رہا ہے، اس کتاب کے ذریعے دیئے گئے نظام حیات میں انسانوں کے لئے رحمتیں اور برکتیں ہیں،، جو قوم یا لوگ اسے قبول کر لیتے ہیں اُن کے لئے اس میں عبرت و موعظت ہے۔سچ یہ ہے اللہ کا قانونِ مکافات کافی ہے، اللہ جانتا ہے کہ کائنات میں کیا کچھ ہو رہا ہے، اور کس طرح ہر شے کی نقل و حرکت تعمیری نتائج پیدا کر رہی ہے، لہٰذا جو لوگ اللہ کا بطور حاکم انکار کرتے ہیں اور کتاب اللہ کو رَد[reject] کرتے ہیں اور تخریبی نتائج پیدا کرنے والی روش کو ہی صحیح سمجھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو خسارے میں رہنے والے ہیں **وَ ھُمۡ یَنۡھَوۡنَ عَنۡہُ وَ یَنۡـَٔوۡنَ عَنۡہُ وَ اِنۡ یُّھۡلِکُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَھُمۡ وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ** [الانعام-6/26] اور یہ لوگ اس سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی دور، دور رہتے ہیں اور یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے O انہیں اصلاح کے لئے جو مہلت ملی ہوئی ہے اس کی وجہ سے اُن کے اعمال کے نتائج فوری طور پر نہیں نکل رہے، اور جب یہ مہلت پوری ہو جائے گی، تو پھر نتائج سامنے آجائیں گے۔

قرآن حکیم بذات خود ایک بڑا معجزہ ہے جو ایک طالب حق / عبد کے لئے بالکل کافی ہونا چاہئے۔ پوری اُمت مسلمہ جس ذلالت اور تباہی کا شکار ہے اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ یہ اللہ کو بحیثیت حاکم اور اللہ کی کتاب کو بحیثیت دستور حیات رَد[reject] کر کے اور اپنے ہی ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتابوں اور اپنے آباؤ اجداد کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی کتابوں کی پیروی کر کے فرقہ پرست ہو چکی ہے اور سینکڑوں فرقوں میں تقسیم ہو کر فرقہ ورانہ عذاب کا مزہ چکھ رہی ہے[6/65]

فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ یَکۡتُبُوۡنَ الۡکِتٰبَ بِاَیۡدِیۡہِمۡ ثُمَّ یَقُوۡلُوۡنَ ھٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ لِیَشۡتَرُوۡا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا فَوَیۡلٌ لَّھُمۡ مِّمَّا کَتَبَتۡ اَیۡدِیۡھِمۡ وَ وَیۡلٌ لَّھُمۡ مِّمَّا یَکۡسِبُوۡنَ [البقرہ-2/79]

سو ان کی تباہی ہے جو الکتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ وہ دنیا کی قلیل قیمت پر بیچ دیں[3/77]۔بس ان کی تباہی ہے اس وجہ سے جو ان کی ہاتھوں نے لکھا ہے اور تباہی ان کی بھی جو اس کے مطابق عمل کرتے ہیں O

ڈاکٹر ابوحیان سعید

قرآنسٹ + نیم قرآنسٹ حضرات..

زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے..!

پچھلے کئی ہفتوں سے فیس بک، انسٹاگرام، واٹس اپ وغیرہ پر یہ کہانیاں چل رہی ہیں کہ سعودی علماء کی کونسل نے سالوں کی تحقیق کے بعد بخاری کی ہزاروں روایات کو مشکوک قرار دے کر صرف 105 روایات کو قابل قبول قرار دیا ہے۔ اس کہانی کی بنیاد سعودی ولی عہد محمد بن سلیمان کے کئی سال پہلے کے 'العربیہ نیوز' کو دیئے گئے ایک انٹرویو کے کچھ الفاظ کو لے کر پھیلائی جارہی ہے، اس پر چند ہفتوں سے پاکستان کے قرانسٹ + نیم قرانسٹ حضرات بغلیں بجارہے ہیں اور یہ جھوٹی خبر سوشل میڈیا میں پھیلائی جارہی ہے۔ اصل میں یہ ایک خبر نہیں بلکہ صرف ایک خوش فہمی ہے۔ کئی سال قبل راقم نے اپنے ایک سعودی قرانسٹ دوست ڈاکٹر حسن فرحان المالکی (فاضل مدینہ یونیورسٹی) کے سامنے ایک ابتدائی لسٹ رکھی تھی جس میں 101 وہ اسناد شامل تھیں جن سے بخاری اور مسلم میں ہزاروں گھڑی ہوئی روایات بھری پڑی ہیں، ڈاکٹر حسن فرحان المالکی نے جب ان اسناد کا نام لئے بغیر عرب میڈیا میں گھڑی ہوئی احادیث کے بارے میں انٹرویوز دی؟ تو سعودی حکومت نے ان کو پہلے تو نظر بند کر دیا پھر ان پر میڈیا پر آکر بیان بازی کرنے پر سخت پابندی لگادی۔

کچھ عرصہ نظر بندی کے بعد سعودی انتظامیہ نے ڈاکٹر حسن فرحان المالکی کو رہا کر دیا، لیکن رہائی کے چند روز بعد ہی ڈاکٹر حسن فرحان المالکی نے عرب میڈیا پر پے در پے کئی انٹرویو دے ڈالے جس میں انہوں نے گھڑی ہوئی روایات کو انتہائی سختی سے نشانہ بنا ڈالا تو ایک بار پھر ان کو نظر بند کر دیا گیا یہ معاملہ چلتا رہا اور اب کچھ عرصے سے وہ مضامین لکھ رہے ہیں اور طلبہ وطالبات کو لیکچرز دے رہے ہیں .

جب راقم نے اپنے سعودی دوستوں علی الشهابي اور ڈاکٹر عمر الحماد سے محمد بن سلیمان کے ان انٹرویوز کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے جو تفصیلات بتائی وہ پھر کبھی دائرہ تحریر میں لاؤں گا۔ تاہم صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ بارک اوباما کے دورہ سعودی عرب کے بعد ہی امریکن ریاست نے

محمد بن سلیمان کے ساتھ چلنے کا اشارہ دے دیا تھا اور سی آئی اے نے امریکن ریاست کو بتا دیا تھا کہ اگر مڈل ایسٹ کو طویل عرصے اپنے قابو میں رکھنا ہے تو محمد بن سلیمان سب سے بہتر انتخاب [چوائس] ہے، اس میں سب سے اہم کردار اس وقت کے سعودی عرب میں امریکن سفیر جوزف ولیم ویسٹ پال نے ادا کیا۔

سر دست تو موضوع گھڑی ہوئی روایات ہیں۔
بخاری اور مسلم میں شامل ہزاروں گھڑی ہوئی احادیث جن اسناد کے سہارے کھڑی ہیں وہ اسناد درج ذیل ہیں۔

جعلی اور فراڈ اسناد کی یہ صرف چند مثالیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے لی گئی ہیں۔

1.. يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
2.. إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُنْذِرٍ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ
3.. عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ،
4.. أَبُو كَامِلٍ، فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرٌ، - يَعْنِي ابْنَ مُفَضَّلٍ – حَدَّثَنَا عُمَارَةُ بْنُ غَزِيَّةَ، عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ، أَنَّ أَبَاهُ،
5.. أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ صَخْرٍ الدَّارِمِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا عُمَارَةُ بْنُ غَزِيَّةَ، حَدَّثَنِي الرَّبِيعُ بْنُ سَبْرَةَ الْجُهَنِيُّ، عَنْ أَبِيهِ،
6.. مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ،
7.. إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ
8.. سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، قَالاَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلاَبَةَ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ،
9.. أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ عَنْبَسَةَ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ،
10.. عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ

حُذَيْفَةَ

11.. أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ، حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ

12.. أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، حَدَّثَنِي يَعْلَى، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

13.. يُوسُفُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ

14.. عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنَا الْمَسْعُودِيُّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي مُوسَى،

15.. عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ،

16.. يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ

17.. ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الأَنْصَارِيَّ،

18.. مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

19.. عَبْدَانُ، قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ،

20.. بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ أَخْبَرَنَا يُونُسُ، وَمَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

21.. أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ، قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ،

22.. إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ

23.. سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ،

24.. أَبُو الْقَاسِمِ، خَالِدُ بْنُ خَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ قَالَ

الأَوْزَاعِيُّ أَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ،

25.. مُسَدَّدٌ، قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ

26.. سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ

27.. مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ،

28.. ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ،

29.. إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ

30.. مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ

31.. خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ،

32.. مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسٌ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ

33.. أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ، سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ،

34.. أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ

35.. قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ

36.. أَصْبَغُ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

37.. إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ

38.. ا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ،

39.. أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَثَنَا هُشَيْمٌ، حَدَثَنَا سَيَّارٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ،

40.. عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ عِرَاكٍ، عَنْ عُرْوَةَ،

41.. أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، حَدثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

42.. مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ صَالِحٍ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا الشَّعْبِيُّ، قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ،

43.. سَعِيدُ بْنُ تَلِيدٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بن سيرين، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،

44.. سُلَيْمَانُ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ بن سيرين عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

45.. قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ

46.. قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، وَشُعَيْبِ بْنِ الْحَبْحَابِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ

47.. قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ،

48.. إِسْمَاعِيلُ، قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حَمْزَةَ، وَسَالِمٍ، ابْنَىْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ

49.. عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ

50.. عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ،

51.. الْحُمَيْدِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ، عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ،

52.. مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ

53.. عَلِيُّ المديني، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ عَمْرٌو عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَسَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ،

54.. إِسْمَاعِيلُ، حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

55.. عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ،

56.. أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ

57.. يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ،

58.. عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسٍ،

59.. أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

60.. عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

61.. إِسْمَاعِيلُ، قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ،

62.. مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ،

63.. يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ

64.. مُسَدَّدٌ، عَنْ عَبْدِ الْوَارِثِ، عَنِ الْجَعْدِ، عَنْ أَبِي رَجَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ،

65.. مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ

66.. مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ، ح وَحَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ، قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ، حَدَّثَنِي هِلاَلُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

67.. عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، حَدَّثَنَا جَامِعُ

بْنُ شَدَّادٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ

68.. عِيسَى، عَنْ رَقَبَةَ، عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ

69.. هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، وَهِشَامٌ، قَالاَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ

70.. الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ، حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بن عمر

71.. مُحَمَّدُ بْنُ سَلاَمٍ، أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ

72.. أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

73.. مُحَمَّدُ بن سلام، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ

74.. إِسْمَاعِيلُ بن ابى ادريس، قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بن بلال، عَنْ يُونُسَ بن زيد، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

75.. قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ،

76.. مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ ،

77.. مُحَمَّدُ بن سلام، أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، أَنَّ نَافِعًا، حَدَّثَهُ أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ حَدَّثَهُ عَنْ عَائِشَةَ

78.. ابْنُ مُقَاتِلٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بن مبارك، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ

79.. يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ،

80.. إِسْمَاعِيلُ، قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

81.. إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ هِلاَلِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

82.. مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

83.. عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ، قَالَ أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ

84.. مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ

85.. زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، شُجَاعُ بْنُ مَخْلَدٍ، عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنِي أَبُو حَيَّانَ، حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ حَيَّانَ

86.. مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارِ بْنِ الرَّيَّانِ، حَدَّثَنَا حَسَّانُ يَعْنِي ابْنَ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ حَيَّانَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ

87.. أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،

88.. سُفْيَانُ بْنُ، عُيَيْنَةَ عَنْ أُمَيَّةَ بْنِ صَفْوَانَ، سَمِعَ جَدَّهُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ صَفْوَانَ

89.. أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ الْفَضْلِ، الْحُدَّانِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ،

90.. سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ أُسَامَةَ

91.. أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ

92.. عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ أُسَامَةَ،

93.. ابْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ – حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ، شِهَابٍ حَدَّثَنِي ابْنُ الْمُسَيَّبِ، وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا

هُرَيْرَةَ،

94.. إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،

95.. أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ

96.. أَبُو كَامِلٍ، فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، وَيُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ الأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ

97.. أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، وَيُونُسَ، وَالْمُعَلَّى بْنِ زِيَادٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ الأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ،

98.. مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ،

99.. قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، - يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ - عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،

100.. حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التُّجِيبِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ أَبَا إِدْرِيسَ الْخَوْلاَنِيَّ،

101.. عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ عُثْمَانُ حَدَّثَنَا وَقَالَ، إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ

حدیث جعلی اور من گھڑت کہانیوں کی کائنات ہے، جسے مجوسی رافضی نے ایجاد کیا ہے۔ صحاح ستہ میں ہزاروں جعلی اور من گھڑت احادیث پائی جاتی ہیں۔ ان مجوسی روافض جھوٹوں کا اصل ہدف قرآن، حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔

احادیث کی کتابیں مرتب کرنے والے قرآن کے دشمن، حضور کے دشمن اور صحابہ کے دشمن ہیں۔ بخاری، مسلم وغیرہ رافضی شیعوں کے پیروکار اور حمایتی تھے۔

شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ احادیث کی کتابیں قرآن، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے دشمنوں کی پناہ گاہیں ہیں۔ احادیث کی اسناد میں زہریلے مجوسی، رافضی شیعہ سانپ چھپے ہوئے ہیں جن کی شناخت غیر فرقہ وارانہ اور غیر جانبدار احادیث کے ماہرین ہی کرسکتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد اقبال

المَسجِدِ الحَرَامِ کیا ہے [4]

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ العِقَاب

اللہ کی احتیاطی تدابیر اختیار کرنا اس لئے کہ اللہ مثالی سزا دینے کا مکمل اختیار رکھتے ہیں۔

اب پوری آیت میں ایک ساتھ لکھوں گا

Oh those who are confident, be attentive!do not make yourself free from obligation and responsibilities of mottos of Allah,(do not make yourself free from responsibilities) of notorious prohibitions (do not make yourself free of responsibility) of rules of government, (do not make yourself free of responsibility) of guiding principles and (do not make yourself free of responsibility) of restorers of charter of prohibitions, they (the restorers) are seeking blessing of their Lord and his satisfaction. When you have solved this then chase after it,let not any one accuse you from a group of people who hate you, (just because) you were discouraging them from prohibited submissions, (ever if they do so) do not exceed the limit, (rather) you should aid / assist each other in their circumstances with kindness, gentle behavior and regards to obviate them from bad situation, and you should not assist each other in criminal acts and hostile actions or aggressive acts, be preventative of Allah as Allah has full power of exemplary punishment.”

وہ جو اعتبار کر چکے ہیں متوجہ ہو جاو! اپنے آپ کو بری ذمہ نہ بنانا ان ذمہ داریوں سے جو اللہ کی علامتیں ہیں اور (اپنے آپ کو بری ذمہ نہ بنانا) بدنام زمانہ ممنوعات کی تشہیر سے، اور نہ ہی مبرہ کرو اپنے آپ کو ہدایت کے اصولوں سے، اپنے آپ کو مبرہ نہ کرو حکومتی قوانین سے (اپنے آپ کو بری ذمہ نہ بنانا) آئین کو بحال کرنے والوں سے (یہ بحال کرنے والے لوگ) تو تلاش میں ہیں اپنے ربّ کے فضل اور اس کے اطمینان کے، جب تم اس بات کو حل کرلو (یہ گتھی سلجھالو) تو پھر اسی کا پیچھا کرنا (اس پر عملدرآمد کرنا) وہ تم پر الزام نہ لگائیں کسی جرم کا جو ایسی قوم سے ہو جو (تم سے) نفرت کرتی ہو (اگر وہ ایسا کریں) تب

بھی حد سے تجاوز نہ کرنا (اس کے بدلے یہ کرنا) تم ایک دوسرے کی مدد کرنا ان کے حالات میں احسان، رحم دلی، محبت، نرم سلوکی اور احترام کے ساتھ ان کے حالات کا خیال رکھتے ہوئے اور تحفظ فراہم کرنا (انہیں) ناخوشگوار حالات سے نکالنے میں اور بالکل ایک دوسرے کی مدد نہ کرنا مجرمانہ اقدامات اور جارحانہ کاروائیوں میں، اللہ کی حفاظتی تدابیر اختیار کرنا کہ اللہ تعالی مثالی سزا دینے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

آپ نے میری ترجمانی پڑھ لی۔ پھر ایک بار جا کر دیکھیں ان کے روایتی ترجموں میں کہ کہاں ہیں یہ حرمت والے مہینے، کہاں ہیں یہ گلے میں پٹے ڈالے ہوئے جانور جو عزت والے گھر کی جانب ریوڑ کی شکل میں جا رہے ہیں، کہاں ہے اس میں احرام کھول کر شکار کو نکل جانا اور کہاں ہے وہ لوگ جو ابراھیم خلیل روڈ پر بنی اس مسجد کے راستے پر بیٹھ کر آپ کو اس میں داخل ہونے سے روک رہے ہیں، اگر میں ان کے ترجمے مان بھی لوں تو یہ آیت one time کی ہو جائے گی اور اب میرے لئے اس میں ہدایت کم اور تاریخی مواد زیادہ ہے اور آیت کا بہت بڑا حصہ صرف ثواب کمانے والا بن جاتا ہے۔

اب آتے ہیں لفظ" **مسجد الحرام** "جو کئی بار سورہ توبہ میں آیا ہے یہاں ایک بات میں ضمنی بتاتا چلوں کہ سب سے زیادہ بار لفظ "مشرک" بھی اسی سورۃ میں آیا ہے۔ بات طویل ہو جائے گی مگر کوئی مضائقہ نہیں میں تھوڑا لفظ مشرک اور شرک کو بھی بتاتا چلوں۔

ہم سب نے اپنے ذہنوں میں لفظ مشرک کو انڈیا کے ہندو اور تھائی لینڈ کے بدھ مذہب والوں کو سمجھ رکھا ہے، اور ہمیشہ ایک اصطلاح کے طور پر اسے پڑھتے اور سمجھتے ہیں۔ اصل میں یہ ایک عربی کا لفظ تھا جس کی اصطلاح ہم نے یہ بنائی ہے کہ جو کوئی اللہ کے علاوہ اپنے سامنے کوئی مورتی کو رکھ کر اس کی پرستش کر رہا ہوتا ہے، اس کو مشرک کہہ دیتے ہیں۔ ایسا نہی ہے، لفظ شرک کا مطلب ہے رفیق بنانا [collabrate] کسی بات میں اپنا حصہ ڈالنا [contribute] کسی چیز کو آپس میں بانٹ لینا [share] اس کو مل جل کر کوئی کام کرنے والے [activity take part in joint] کسی سرگرمی میں حصہ لینے والے حصہ دار [Participants of a joint activity] ان کو ہم [co-partners] بھی لکھتے ہیں۔

کسی اچھی سرگرمی میں مل جل کر کام کرنے والے good mushriq ہوں گے، اور کسی

گھناونے کام کو مل جل کر کرنے والے bad mushriq ہو جائیں گے۔ اگر کوئی اللہ کے partners اس کے کاموں میں کسی اور کو شامل کرے تو وہ شریک مع اللہ کر رہا ہے،

اگر کوئی اپنے کاروبار میں کسی کو حصہ دار [partner] بنا رہا ہے یا وہ مل جل کر کام کر رہے ہیں **شرکاء فی العمل** ہوگا اس لفظ کو سیاق وسباق میں دیکھنا ہوگا کہ وہ اللہ کا شریک بنا رہا ہے یا کچھ مل جل کر [work together] لوگ کسی کام کو کر رہے ہیں۔

میں آپ کو سورۃ النحل کی آیت [16/100] کی مثال دیتا ہوں یہاں لفظ مشرکون کوئی پرستش کرنے والے نہیں وہاں کچھ لوگ شیطان کے ساتھ مل کر کام [collabrorate/work together] کر رہے ہیں ان کو مشرک کہا جا رہا ہے۔

میں صرف اس کا ترجمہ لکھ دیتا ہوں **اِنَّمَا سُلطٰنُهٗ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّونَهٗ وَالَّذِينَ هُم بِهٖ مُشرِكُونَ**[16/100]

"اس کا زور چلے گا (**سُلطٰنُهٗ** "ہ" کی ضمیر شیطان پر جا رہی ہے) ان لوگوں پر جو اس سے (**يَتَوَلَّونَهٗ** "ہ" کی ضمیر میں اب رَبّ ہے) رخ موڑ لیں گے" اور وہ اس کے شراکت دار ہوں گے (اس کا زور) تو صرف ان پر چلے گا جو اس کے حصہ دار / مشترک / مل جل کر کام کرنے والے [partners] ہوں گے (**بِهٖ** یہاں شیطان کے لئے ہے) جو اس شیطان سے مل کر کام (collaborate) کر رہے ہوں گے۔ یہاں مشرکون کوئی شریک رَبّ ٹھرانے والے لوگ نہیں ہوں گے یہ شیطان کے رفیق، ساتھی، حصہ دار [partners/co-partners] ہیں اس کے ساتھ [joint activity] میں حصہ لینے والے لوگ ہیں۔ سمجھ آیا آپ کو کہ یہ لفظ صرف بتوں کی پرستش والوں کے لئے نہیں ہے۔ ہم پتہ نہیں کیوں اس لفظ کو قرآن میں صرف مشترکہ کاروائی [believer in duality] یا [plurality of Gods] پر ہی رکھ دیتے ہیں جبکہ ہر جگہ ایسا نہیں ہے۔

اب ہم سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 9/7 کو سمجھنے سے پہلے 9/6 کو دیکھ لیتے ہیں تو بات واضح ہو جائے گی، آپ پہلے دونوں آیتوں کے روایتی ترجمے پڑھ لیں۔

وَاِن اَحَدٌ مِّنَ المُشرِكِينَ استَجَارَكَ فَاَجِرهُ حَتّٰى يَسمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبلِغهُ مَامَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُم قَومٌ لَّا يَعلَمُونَ[9/6]

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپؐ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا

کلام سن لے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پر پہنچا دو یہ اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔

بیان القرآن (ڈاکٹر اسرار احمد)

اس آیت کے ترجمے میں کچھ اس طرح کا تاثر دیا جارہا ہے کہ یہ ایک سے زیادہ خدا کی پرستش کرنے والے آپؐ کے پاس جب پناہ کی درخواست لے کر آئیں تو انہیں پناہ دو انہیں اللہ کا کلام سناو، پھر ان کو رکشہ میں بٹھا کر واپس ان کے گھر چھوڑ آؤ کیونکہ یہ لوگ کچھ جانتے ہی نہیں تھے۔

اب آپ ترجمانی دیکھیں

وَاِن اَحَدٌ مِّنَ الْمُشرِکِینَ - جو ایک مشترکہ کاروائی کررہے ہیں [if anyone those who are doing joint activity] وہ جو ایک مشترکہ کاروائی کررہے ہیں اس **تَجَارَكَ** اس کو سب نے پناہ بنا دیا ہے جبکہ پناہ کے لئے لفظ عوذ ہوتا ہے، یہ جور سے باب X ہے اس کو appeal to deliver کہتے ہیں یہ آپؐ سے درخواست کررہے ہیں (کچھ باتیں) ان تک پہنچانے کی [they are appealing to deliver you something] کیس چیز کی اپیل؟ اللہ کے پیغام کی [what? message of Allah]۔

فَاَجِرْهُ = یہ جور سے اجور iv پھر اس کا فعل امر ہے، تو ان کو باتیں پہنچاؤ [then deliver them]۔

حتی = تاکہ [so that]

یَسمَعَ کَلَامَ اللّٰهِ = تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے [He listens to speech of Allah]

ثُمَّ اَبلِغهُ = یہ بلغ سے ابلغ iv ہے اس کو disclose / inform/notify کہتے ہیں اور ہ کی ضمیر اس اَحَدٌ پر ہے، کوئی ایک۔

مَامَنَہ‘- سب نے اس کو جگہ اور حفاظت کی جگہ بنا دیا جبکہ یہاں ما مائے موصولہ تھا پھر **امنۃ** ہے جو کہ امن + ہ ہے۔ کو کچھ تم نے اسے دیا اس میں وہ اپنی سلامتی پا سکے [Whatever you deliver he finds his security in it]۔ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُم قَومٌ لَّا يَعلَمُونَ** = اس لئے کہ یہ شخص (اَحَدٌ) اس قوم کا نمائندہ [partner/representative] تھا جسے کوئی معلومات نہیں تھیں۔

کَیفَ یَکُونُ لِلمُشرِکِینَ عَهدٌ عِندَ اللّٰهِ وَعِندَ رَسُولِهٖ اِلَّا الَّذِینَ عَاهَدتُّم عِندَ

الْمَسجِدِ الحَرَامِ فَمَا استَقَامُوا لَکُم فَاستَقِیمُوا لَهُم اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ المُتَّقِینَ [9/7]

کَیفَ یَکُونُ لِلمُشرِکِینَ = یہ کیسے ہوسکتا ہے ان کے لئے جو ایک مشترکہ کاروائی کررہے ہیں

How can this happen for who are participants of a joint activity

عِندَ اللّٰهِ وَعِندَ رَسُولِهٖ = عند۔۔ location adverb ہے اس کو nearby / with / on / at / upon کہتے ہیں جب یہ position / time / place کے لئے استعمال ہو اور اس کے معنی ہوتے ہیں جب یہ کسی Opinion or view کے لئے استعمال ہو اور پر یاد کریں کہ کچھ رائے [views] دی جارہی تھی [9/6] میں تو یہ ہوگا۔۔۔ [Can have contract upon Allah and upon his message]۔

اِلَّا الَّذِینَ عَاهَدتُّم عِندَ المَسجِدِ الحَرَامِ

Except those (who are participants of joint activity)with which you have made a covenant upon all locations where submission was prohibited.

عهد = promise کو تو کہتے ہیں مگر عہد compact / covenant/contract معاہدہ بھی ہوتا ہے، سوائے ان کے (ان مشترکہ سرگرمی کرنے والوں سے) جن کے ساتھ تم نے کوئی معاہدہ کیا ہو ان باتوں کا جن کو کہ ممنوعہ اطاعتیں بنا دیا گیا ہو یا جن صورتحال پر پہلے سے پابندی ہو۔

فَمَا استَقَامُوا لَکُم فَاستَقِیمُوا لَهُم اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ المُتَّقِینَ۔۔ اگر وہ اپنے معاملات میں، معاہدے پر قائم رہیں تو تم بھی اپنے معاملات میں ان معاہدوں پر قائم رہنا کہ اللہ پسند ہی ان کو کرتے ہیں جو اس کی احتیاطی تدابیر اختیار کرے۔

If they are upright (in contract)for you then you all be upright (in your contract)for them, Allah is fond of those who do take all the preventive measures.

==

جب اندھیرا بڑھنے لگے تو چپکے سے کسی پیاسے ”دیئے“ کو تیل سے بھر دیا کرو،

تمہاری ”ذات ونفسیات“ میں روشنی کبھی کم نہیں ہوگی۔

اورنگزیب یوسف زئی

تحقیقِ حیاتِ آخرت [9]

حیوانی وجود کی طبعی موت اور لافانی شعوری ذات

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہرِ ملکوتی
خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

۴] حیات انسانی شعورِ ذات کے مرحلے سے قبل ایک ابتدائی غیر ترقی یافتہ حالت میں تھی اور ذہنی لحاظ سے خود سے آگاہ نہ تھی۔ ان مراحل میں طبعی وجود کی کارکردگی اسباب اور نتائج کے تسلسل سے انگیخت ہوتی تھی۔ سبب و نتیجہ کی کاروائی بہتر طور پر اس طرح سمجھی جا سکتی ہے جیسے کہ حیات خوابیدہ ہو اور کوئی سبب اسے عمل کے لیے اُکسائے یا تقاضہ پیدا کرے۔ تاہم انسانی مرحلے میں انسان کسی بھی سبب سے انگیخت ہونے سے انکار کر سکتا ہے اگر ایسا ارادہ کر لے۔ اگر کوئی سبب اسے عمل کے لیے متحرک کرے وہ اسے مسترد بھی کر سکتا ہے اور کسی اور وقت کے لیے موخر بھی۔ انسان کا یہ انتخاب کہ وہ ایک وجہ کو مسترد یا موخر کر دے، اور دوسری پر عمل درآمد کرے یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر انسان کسی سبب کے تحت عمل درآمد کا انتخاب کرتا ہے تو وہ ایسا خود اپنی آزاد مرضی سے کرتا ہے۔ مثلاً اگر ایک حیوان بھوکا ہے تو وہ اپنی کھانے کی جبلت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لہذا جب تک کھانہ لے چین سے نہیں بیٹھے گا۔ لیکن انسان کے معاملے میں، اگر انسان چاہے تو وہ اس جبلی تقاضے کے خلاف بھی جا سکتا ہے اور اسے کسی دوسرے وقت کے لیے اُٹھا رکھ سکتا ہے۔ یہاں بھی کسی دوسرے وقت کا انتخاب انسان کی آزاد مرضی و ارادے کے ہاتھ میں ہے۔ پَس، پہلے مرحلے میں انسان کھانے کے جبلی دباؤ کے آگے جھکنے سے انکار کر دیتا ہے۔ پھر اگر وہ جھکتا بھی ہے تو وہ یہ عمل اپنے آزاد ارادے سے کرتا ہے۔ یعنی اس حالت میں بھی انسان خود ہی وہ وقت منتخب کرتا ہے جو اسے موزوں لگتا ہے۔ یہ اس کائنات میں ایک منفرد واقع ہے کہ یہاں زندگی اپنے آزاد ارادے سے بہت سے اسباب میں سے ایک کو منتخب کرتی ہے۔ ایک اور ناقابلِ فراموش نکتہ یہ ہے

کہ انتخاب کے وقت کا تعین انسان نے زمانہ حال کو نظر انداز کرتے ہوئے، مستقبل کے لیے کیا ہے۔ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے وقت کا انتخاب صرف وہی ذات تصور میں لا سکتی ہے جو خود آگاہ ہو۔ یہ بھی ہے کہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے کسی فائدے کو دیکھ پانا ایک سبب صرف اُس وقت بن سکتا ہے جب انسانی ذات مستقبل میں چھپے فوائد کا ادراک رکھتی ہو اور اس طرح یہاں تحرک کا سبب خود فاعل ہی پیدا کر رہا ہے۔ یہ جیسا کہ پہلے بھی زور دیا گیا، ایک منفرد وقوعہ ہے۔ ہم ساری کائنات میں کوئی ایک بھی سابقہ مثال ایسی نہیں پاتے کہ جہاں کسی فاعل نے خود ہی عمل کے لیے خود مختاری کے ساتھ ایک سبب پیدا کیا ہو۔ بالفاظِ دیگر، یہ صرف خود آگاہ انسان ہی ہے جو فاعل ہونے کی حیثیت سے خود اپنا سبب پیدا کرتا ہے اور پھر اس سبب کے نتائج بھی اپنی آزاد مرضی سے قبول کرتا ہے۔

۵] یہ سچ ہے کہ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حیوان نے اپنی جبلت کی خلاف ورزی کی ہے۔ لیکن جانور یہ صرف ایک زیادہ طاقتور جبلت کے دباؤ کے تحت کر پاتا ہے۔ مثلاً اگر ایک جانور اپنی کھانے کی جبلت کی تسکین کر رہا ہے اور اچانک ایک آدمی اس پر حملہ کر دیتا ہے، جانور بھاگ جائیگا۔ درحقیقت یہاں کھانے کی جبلت کی خلاف ورزی کا سبب ایک زیادہ طاقتور، جان بچانے کی جبلت ہے۔ مذکورہ صورتِ حال میں حیوان بمقابلہ ایک قدرے کمزور کھانے کی جبلت کے ایک قوی تر فرار کی جبلت کے زیرِ اثر آ گیا۔ اگر حیوان نے فوری فرار کا فیصلہ نہ کر لیا ہوتا تو اس کی جان ضائع ہو جاتی۔ لہذا یہاں جانور نے فوراً ایک قوی تر، جان بچانے والی جبلت کی تسکین کرتے ہوئے تحفظ کا راستہ اختیار کیا۔ ان دونوں حالتوں میں جانور مکمل طور پر آزاد نہیں تھا۔ وہ صرف جبلتوں کے دباؤ کے زیرِ اثر رہا۔

۶] حیوان کبھی اپنی جبلتوں کی ضرورت سے زیادہ تسکین کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ وہ جبلتوں کی تسکین بالکل ان کی طبعی ضروریات کے مطابق کرتا ہے۔ تاہم انسانی مرحلہ پر جبلتوں کی تسکین کی کشش معمول کی ضروریات سے تجاوز کر جاتی ہے جس میں انسان کے خود مختار آزاد ارادے کی جھلک نظر آتی ہے۔

۷] حیوانی وجود کے خلیات پیدا ہوتے اور مرتے رہتے ہیں اور اس طرح ایک حیوان کی طبیعی عمر میں اس کا وجود کئی بار تبدیل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف انسان کے آئیڈیلز، فکر اور کارنامے، انسانی ذات کے ساتھ بغیر تبدیلی کے اور مکمل محفوظ حالت میں زندہ رہتے ہیں۔ ان طبعی تبدیلیوں کے برخلاف جن سے حیوانی وجود بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی اور بڑھاپے تک گذرتا ہے، انسانی

تصورات، فکر اور اعمال کا برقرار رہنا ایک مکمل ثبوت ہے کہ انسانی ذات طبعی حالت میں، اس طبعی وجود کے اندر نہیں رہتی جس کے ساتھ وہ اپنے تخلیقی مرحلے میں منسلک ہے۔ اور جو موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

۸] انسانی دماغ بچپن سے شروع ہو کر ایک مخصوص حد تک ترقی کرتا ہے۔ اُس حد کے بعد مزید ترقی دماغ نہیں بلکہ فرد کا علم کرتا ہے۔ اسی کے مانند حیوانی مرحلے میں نئے انواع کی ظہور کے ساتھ ان کا دماغ ایک مخصوص حد تک ترقی پذیر رہا، جو کہ انسانی زندگی کی شکل بھی ہے۔ انسان میں اس کے بعد یہ نوع یا دماغ نہیں جس کی ہم مزید ترقی کی توقع کریں، بلکہ یہ انسانی شعورِ ذات ہے جو ترقی کرتی رہتی ہے۔ یہ امر کہ انسان خود آگاہ ہے اس کا اشارہ ہے کہ شعور کا طبیعی آلہ یا عضو، یعنی دماغ، اس کے اندر اپنی کاملیت کو پا چکا ہے۔ بنابریں، انسان کی مستقبل کی تخلیق اپنا اظہار اپنی خودی کے علم میں ترقی سے کرے گی، اپنے دماغ یا جسم کی مزید اعلیٰ ترقی سے نہیں۔ لہٰذا یہ واضح ہے کہ انسان ایک خود مختار اور منفرد مرحلے میں رہتا ہے جو حیوانی مرحلۂ حیات سے جدا ہے۔

۹] حیوان کا دماغ حیوانی وجود کی ایک اکائی یا مرکزے کی طرح ایک مادی حالت میں رہتا ہے۔ لیکن شعورِ ذات کے مرحلے میں انسانی ذات اس کے حیوانی دماغ میں نہیں رہتی۔ یہ اپنے ''ذہنی جسم'' میں رہتی ہے جو اپنی نوع میں غیر مادی ہے۔ انسانی ذات کے ذہنی جسم کی نشوونما کا ذریعہ علم ہے، جبکہ اس کے حیوانی دماغ یا اس کے حیوانی وجود کی نشوونما اس مادی خوراک سے ہوتی ہے جو مختلف کیمیاوی مادوں پر مبنی ہے۔ یہ امر ثابت کرتا ہے کہ دماغ اور ذہن کی شعوری اقدار بالکل مختلف ہیں۔ دماغ جو طبیعی وجود سے متعلق ہے، مادی حالت میں رہتا ہے، جب کہ ذہن یا ذہنی وجود جو شعوری ذات سے متعلق ہے، غیر مادی ہے۔ بالفاظِ دیگر حیوانی حیات مادی حالت میں رہتی ہے اور انسانی ذات یا روح غیر مادی حالت میں۔

۱۰] انسان ننگا رہنے میں بے عزتی اور شرم محسوس کرتا ہے۔ انسانی مرحلے کے بالکل ابتدا میں وہ پہلی چیز جس نے اسے کسی غلط [گناہ] کا احساس دلایا وہ اس کی جانوروں کی مانند برہنہ حالت تھی۔ لہٰذا اس نے اپنے اعضائے تناسل پتّوں اور چھال سے چھپالیے۔ یہ ایک مکمل اشارہ تھا کہ انسان نے خود آگہی حاصل کر لی اور ایک روشن تر شعوری روشنی میں وہ براہِ راست اپنی اُن روحانی اقدار سے روشناس ہو گیا جو حیوانی حیات کی پست اور مادی اقدار سے الگ تھیں۔ اس نے خود کو اپنے اعضائے تناسل کی نمائش کرتے ہوئے پست اور غیر مہذب خیال کیا جو حیات کے حیوانی پہلو سے تعلق رکھتے تھے۔ اس سے بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ انسان کم تر اور مادی حیوانی حالت سے علیحدہ ایک اعلیٰ تر درجے پر رہتا ہے۔

ڈاکٹر مبارک علی

علماء اور راسخ العقیدگی

''شریعت تلوار کی چھاؤں میں ترقی کرتی ہے،'' اس نے علماء کو سلطان وقت کی حمایت کرنے اور ان کے ساتھ اقتدار میں شریک ہونے پر تیار کیا، کیونکہ ایک مرتبہ جب علماء کو یہ احساس ہو گیا کہ وہ شریعت کو معاشرہ میں اخلاقی و ذہنی طور پر متاثر کر کے نافذ نہیں کر سکتے تو ان کے لئے صرف ایک ہی صورت تھی کہ حکومت کے ساتھ تعاون کریں اور قوت و طاقت کے ذریعہ مسلمانوں کے معاشرہ میں اس کا نفاذ کریں۔

اس لئے ہندوستان میں ان کی یہ کوششیں رہیں کہ وہ حکومت اور اس کے انتظامی اداروں پر قبضہ کریں، اور مذہب کے دباؤ کے تحت حکمران کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ حکومت کے عہدوں پر ایسے افراد کا تقرر نہ کرے جو مذہبی نہ ہوں، بدعقیدہ ہوں اور عقلیت کے پرستار ہوں، بلکہ یہ عہدے صرف ان لوگوں کو دیئے جائیں جو مذہبی امور میں ماہر ہوں عالم و فاضل ہوں اور زندگی کے ہر شعبہ میں مذہب کا نفاذ چاہتے ہوں، چنانچہ التمش کو نصیحت کرتے ہوئے ایک بزرگ عالم مبارک غزنوی نے کہا تھا کہ:

''دین پناہی سے متعلق جس میں بادشاہی کی نجات یہ ہے کہ وہ دین محمدیؐ کے احکام شرعی کے نفاذ کی ذمہ داری متقی عبادت گزار، دین دار اور خدا ترس لوگوں کے سپرد کریں اور ناخدا ترس، ناحق شناس، حیلہ باز، لالچی، فریبی اور اہل معاملہ کو حکومت شرع کی مسند اور طریقت کی سرکردگی، منصب افتاء اور علوم دین کی تدریس لوگوں کے سپرد کئے جانے کو روا نہ رکھیں''

(۱) اس لئے خصوصیت سے ایسے عہدے جن کا تعلق مذہبی امور سے ہوتا تھا، وہ ان علماء کو ملتے تھے ان میں قاضی، صدر الصدور، محتسب اور شیخ الاسلام کے عہدے قابل ذکر ہیں۔ اس حیثیت سے یہ حکمران طبقوں کا ایک حصہ بن جاتے تھے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ یہ اپنے اثر و رسوخ کو حکومتی معاملات میں زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔ جب بھی حکمرانوں کو اپنے عمل اور پالیسی کو جائز ٹھہرانا ہوتا تھا تو ان سے فتوی طلب کئے جاتے تھے، جو یہ حکمرانوں کی مرضی کے مطابق دیا کرتے تھے۔

علماء کے نزدیک جس شخص نے دو باتوں کو پورا کر لیا حکمران ہو سکتا تھا، اول اس کے پاس

فوجی طاقت ہو، کہ وہ اس کے بل بوتے پر اپنے احکامات کو تسلیم کرائے، دوم اگر لوگ اس کے ہاتھ پر اقتدار کے حصول کے بعد بیعت کر لیتے تھے تو پھر وہ جائز حکمران ہوتا تھا۔ بیعت کرنے والوں میں بھی صرف علماء اور اہل حل وعقد کا ہونا کافی ہے۔ اس کے بعد جب وہ جائز حکمران ہو گیا، تو اب امت پر فرض ہے کہ وہ اس کی اطاعت کریں۔ اس اطاعت کے بدلہ میں حکمران امت کے سامنے جوابدہ نہیں ہے، کیونکہ یہ جوابدہی صرف خدا کے سامنے ہے۔

اس نظریہ کے تحت ہر اس غاصب کو جائز حکمران تسلیم کیا جاتا رہا، جس نے فوجی قوت وطاقت سے اقتدار پر قبضہ کیا، اور جب وہ ایک مرتبہ خدا کے سامنے جوابدہ ہو گیا تو اس نے عوام پر ظلم وستم ڈھائے اس کی پوچھ گچھ کرنے والا اس دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ اس کے نتیجہ میں مسلمان معاشرے میں مطلق العنان بادشاہوں کا عروج ہوا، اور آمرانہ حکومتی اداروں کی تشکیل ہوئی۔ مسلمان معاشرہ سلطان کے لئے طاقت وقوت، ودبدبہ اور شان وشوکت کا اس قدر چاہنے والا تھا کہ عہد سلاطین میں لکھی جانے والی کتاب ''فتاویٰ قاضی خاں'' میں ہے کہ اگر لوگ ایک ایسے شخص پر بیعت کر لیں جس کے پاس شان وشوکت اور رعب ودبدبہ نہیں ہے۔ تو اسے سلطان تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر کسی کے پاس طاقت وہیبت ہے اور بیعت کے بعد وہ لوگوں پر ظلم وستم بھی کرے تو اسے معزول نہیں کہا جا سکتا۔

(۲) طاقت کا یہ تصور ہندوستان میں مسلمان معاشرہ کی ذہنیت کی بڑی عمدگی کے ساتھ عکاسی کرتا ہے۔ ایک طبقاتی معاشرہ میں حکمران طبقوں کا تحفظ، ان کی مراعات سہولتیں اور مفادات کا تحفظ صرف اسی وقت ہو سکتا تھا، جب کہ حکمران طاقتور ہو اور اس قابل ہو کہ عوام کے احتجاج اور بغاوت کو کچل سکے۔ کیونکہ اقلیت، اکثریت کو بغیر طاقت کے خاموش نہیں رکھ سکتی ہے۔ اس لئے حکمران چاہے غاصب ہو اور ظلم وستم کا عادی ہو مگر وہ حکمران طبقوں کے مفادات کی غرض سے جائز تھا، اور اس کے خلاف ہر قسم کی بغاوت کو مذہب کے خلاف بتایا جاتا تھا۔

حکمران کے اثر ورسوخ کو بڑھانے اور مستحکم کرنے کی غرض سے علماء اسے حامی دین اور پشت پناہ دین وملت کے خطابات دے کر اس کی شخصیت کو معاشرہ میں ابھارتے تھے اور اس کی وسعت سلطنت کی جنگوں کو جہاد قرار دے کر اسے غازی اور مجاہد بناتے تھے۔ اس لئے ہندوستان کے تمام مسلمان بادشاہ اس زمرے میں آتے ہیں۔ یہ سب ہندوستان میں جہاد کی غرض سے آئے تھے اور ان کا مقصد تبلیغ اسلام تھا۔ اس لئے ان کی سامراجی جنگوں کو اسلام کے ذریعہ اخلاقی جواز فراہم کیا۔ اس کے نتیجہ میں ہندوستان میں اسلام کا تعلق جنگ وجدل اور غارت گری کے ساتھ مل ابھرا۔

ہندوستان میں حکومت کے قیام کے ساتھ ہی علماء نے مذہب کے ذریعہ اس کے استحکام کی

بنیادیں فراہم کیں۔ اسلام کی برتری کا درس دیا، ہندو مذہب کو کفر اور شرک کہا، جس کی وجہ سے ہندو مذہبی وثقافتی طور پر کمتر قرار پائے، اور اس منطق سے ان پر حکومت کرنا، ان سے جزیہ لینا، ان کے مندر توڑنا، ان کے تہوار پر پابندی عائد کرنا، اور ان کی مذہبی رسومات کو لہو ولعب قرار دینا جائز ہوا۔ اس فرق نے ہندو اور مسلمان معاشرے کو ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دیا، اور یہی مقصد ان علماء کا تھا، کیونکہ ان کا اثر ورسوخ صرف اس وقت تک برقرار رہ سکتا تھا جب تک علیحدگی کے جذبات شدید ہوں۔

۱۔ ترک فاتحین ہندوستان میں حنفی مسلک کو لے کر آئے تھے۔ اس لئے یہاں سنی علماء کا اثر ورسوخ قائم ہوا اور انہوں نے مذہب کی اس تعبیر وتاویل کو یہاں متعارف کرایا جو کہ وسط ایشیا میں گیارہویں وبارہویں صدی میں علماء کر چکے تھے۔ ہندوستان میں صرف تقلید کی گئی اور کوئی اجتہادی کام نہیں ہوا۔ پورے دور ہندوستانی علماء نے وسط ایشیا وایران اور عربی ممالک کے عالموں کی کتابوں پر یا تو حاشیہ لکھے، یا ان کی مزید وضاحت کی، مگر اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا، یہاں کے کسی عالم کے لئے باعث فخر بات یہی تھی کہ اس نے کسی مشہور فقہی مسلک کے امام یا کسی غیر ملکی عالم کی کتاب پر کوئی تبصرہ لکھا ہو، مثلاً شاہ وجیہ الدین (وفات 1590ء) ایک بڑے عالم سمجھے جاتے تھے ان کے بارے میں ہے کہ شاید ہی کوئی چھوٹی یا بڑی درسی کتاب ہو جس کی انہوں نے شرح یا تفسیر نہ لکھی ہو۔ (۲)

علماء کی اکثریت کسی مسئلہ پر فتوی دیتے ہوئے پچھلے علماء اور فقہا کی رائے کو دہرا دیتے تھے اور حالات کے مطابق کوئی نئی بات نہیں کہتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حنفی فقہ کا ہندوستان میں کوئی ارتقاء نہیں ہوا، اور یہ فرضی حالات وتصوراتی ماحول میں کام کرتا رہا۔

(۳) فتاوی عالمگیر کو فقہ کی مستند کتابوں کی مدد سے تدوین کیا گیا مگر اس میں ہندوستان کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کے تحت فتوی درج نہیں اس میں بھی محض تقلید کی گئی اور اجتہاد سے پرہیز کیا گیا اس لئے بدلتے ہوئے حالات میں فقہ کی مدون یہ کتابیں ہندوستان کے مسائل کا کوئی حل نہیں پیش کر سکیں۔

۲۔ وسط ایشیا وایران میں منگولوں کے حملوں کے بعد دوسرے لوگوں کے ساتھ علماء وفقہا کی بڑی تعداد ہندوستان ہجرت کر کے آئی۔ یہ سخت قسم کے سنی العقیدہ تھے اور ان میں مذہبی رواداری نام کو نہیں تھی ہندوستان کے سیاسی حالات سے بالکل ناواقف تھے اور مسائل کو وسط ایشیا وایران کے نقطہ نظر سے دیکھتے تھے۔ مہاجر ہونے کی حیثیت سے ان میں عدم تحفظ کا بھی شدید احساس تھا، اس لئے ان کی خواہش تھی کہ ہندوستان میں مذہبی حکومت مضبوط بنیادوں پر ہوتا کہ انہیں ہندو اکثریت سے کوئی خطرہ نہیں رہے اور وہ دوبارہ سے اس تباہی سے دوچار نہ ہوں جو منگول حملوں کے بعد وسط ایشیا وایران میں آئی تھی۔ اس لئے وہ ہندوؤں کو کمزور اور ذلیل وخوار رکھنا چاہتے تھے تا کہ وہ کبھی بھی حکومت کے خلاف بغاوت کا سوچ بھی

نہ سکیں۔

سنی علماء کا موقف تھا کہ صرف چار فقہی مسلکوں کی تقلید کی جائے تا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں اتحاد برقرار رہے، اگر ان مسلکوں کی تقلید نہ کی گئی اور دوسرے مسلک بھی ظاہر ہوئے تو اتحاد پارہ پارہ ہوجائے گا۔اس لئے ہندوستان کے مسلمان معاشرہ پر امام غزالی اور امام تیمیہ کے افکار کا اثر ہوا، امام غزالی اجتہاد کے مخالف ہیں اور امام تیمیہ غیر اسلامی عناصر کے خلاف، اسلام کی پاکیزگی کے داعی ہیں۔اس لئے ان دونوں کے افکار کے لئے ہندوستان کی فضا راس تھی، جہاں اس کی تقلید کی گئی۔

اکبر کے زمانہ میں گجرات کی فتح کے بعد ہندوستانی علماء سمندر سے راستے سے بھی حجاز جانے لگے اور جو علماء وہاں سے تعلیم حاصل کر کے واپس آئے انہوں نے مزید ہندوستان کی فضا کو تنگ نظر بنایا ۔ ہندوستان کے معاشرے میں یہ خیال یقین کی حد تک بیٹھا ہوا تھا کہ مذہبی تعلیمات اور مذہبی امور کی حقیقی تعلیم صرف ہندوستان سے باہر سمرقند، بخارا، کوفہ، دمشق و بغداد اور مکہ مدینہ میں حاصل ہوسکتی ہے، کیونکہ وسط ایشیا، ایران، عراق وشام وحجاز کی فضا ایسی ہے کہ جہاں اسلامی علوم پروان چڑھ سکتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کو فروغ ہندوستان کے مشرکانہ اور کافرانہ ماحول میں ممکن نہیں۔اس لئے ہندوستان میں صرف ان علماء کو مستند مانا جاتا تھا جو ان ملکوں سے علم کی سند لے کر آئے تھے۔ ہندوستانی علماء کے اعتماد کی کمی اس سے بھی نظر آتی ہے کہ وہ اکثر ہندوستانی معاملات کے بارے میں فتوی حجاز کے علماء سے منگواتے تھے، وہ بھی ان کی مرضی کے مطابق فتوی بھیجنے میں دیر نہیں کرتے تھے، حجاز کے علماء کے فتوی ہندوستانی علماء کے مقابلہ میں زیادہ وقیع اور مستند مانے جاتے تھے۔

اجتہاد کے فقدان اور تقلید کے اثرات کی وجہ سے ہندوستان میں راسخ العقیدگی کی جڑیں اس قدر گہری ہوگئیں کہ انہوں نے اس کے خلاف کسی فرقہ، مسلک اور تحریک کو برداشت نہیں کیا اور انہیں سختی کے ساتھ ختم کر دیا۔ نئے خیالات و افکار کو ختم کرنے کے سلسلہ میں انہوں نے جو طریقے اختیار کئے ان میں قتل کران، کتابیں جلانا، قید و بند، ایذائیں، ملازمتوں سے محروم کرنا، اور مالی طور پر ان کے ذرائع آمدنی بند کرنا تھے، سنی راسخ العقیدگی سے علیحدہ ہٹ کر جو بھی فرقے تھے ان کے بارے میں اس قسم کی باتیں پھیلائی جاتی تھی کہ ان فرقوں کے ماننے والوں میں آزاد جنسی تعلقات ہوتے ہیں اس لئے ایسے فرقوں کو ''اباحیہ'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

ان فرقوں کو اس بات کی قطعی آزادی نہ تھی کہ وہ اپنے عقائد کی تبلیغ کرسکیں، یا ان کے بارے میں آزادی سے بحث و مباحثہ کرسکیں، یا ان کی اشاعت کرسکیں، اس لئے یہ فرقے اس بات پر مجبور ہوئے کہ اپنے عقائد کو خفیہ رکھیں اور خفیہ اجتماعات کریں اس نے ان علماء کو یہ موقع دیا کہ ان کے بارے میں قسم

قسم کی افواہیں پھیلائیں تا کہ لگ ان سے بدظن ہوں اور ان کے قریب نہ جائیں۔

چونکہ تقلید پرست علماء نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل پیش کرنے سے قاصر تھے، اس لئے مذہب اور شریعت میں اس راسخ العقیدگی کے خلاف مختلف تحریکیں پیدا ہوئیں جنہوں نے روایتی مذہب سے علیحدہ ہو کر مسائل کا حل پیش کیا، مگر ایسی تمام تحریکوں اور جماعتوں کی سختی سے مخالفت کی گئی، اور انہیں قرامطی ، الحادی زندقہ ، مانی ومنردک کے پیروکار کہہ کر سختی سے کچل دیا گیا۔اس وجہ سے روشن خیال لوگوں کی ہمت نہیں رہی کہ وہ اس رجعت پرستی کے خلاف موثر جدو جہد کرسکیں۔

صوفیاء کے وحدت الوجودی طبقے نے جب شریعت کی سختی اور تشدد کی جگہ رواداری اور آزاد خیالی کی تبلیغ شروع کی تو علماء نے ان کے خلاف بھی سخت اقدامات کئے اور حکومت کی مدد سے ان کے اثر کو ختم کرنے کی کوشش کی۔اس پر کاری ضرب اس وقت لگی جب تصوف اور شریعت کو ملا کر اسے بھی علماء کے تابع کر دیا، اس سلسلہ میں وحدت الشہود کے نظریہ نے موثر کردار ادا کیا، اور صوفیاء و علماء کو آپس میں ملا کر راسخ العقیدگی کی جڑیں اور گہری کر دیں۔(۴)

۳۔ اکبر نے مغل حکومت کی بنیاد متحدہ قومیت پر رکھی تھی ، مغلوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے طبقہ اعلیٰ کو بھی اقتدار میں شریک کرلیا تھا، اور عام ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری کا سلوک کرتے ہوئے ان پر سے مذہبی ٹیکس ختم کر دیئے تھے۔اکبر کی یہ پالیسی تھی کہ ہندوستان میں کسی ایک قوم یا مذہب کی بنیادوں پر حکومت نہیں کی جائے کیونکہ ایسی حکومت کی بنیاد ناپائیدار ہوگی، جب تک تمام عناصر کو اس میں شریک نہیں کیا جائے اس کی بنیادیں مستحکم نہیں ہوں گی۔اس لئے اس نے جب ہندوؤں کو اقتدار میں شریک کیا تو متحدہ قومیت کے لئے فضا پہلے سے تیار تھی، وحدت الوجود کے نظریہ اور بھگتی تحریک نے ذہنوں کو اشتراک کے لئے تیار کر رکھا تھا۔

اس اشتراک سے سنی امراء کو دکھ ہوا کیونکہ وہ بلا شرکت غیرے اقتدار پر قابض رہنا چاہتے تھے۔اس لئے انہوں نے علماء کی مدد سے اس کے خلاف تحریک چلائی اور ہر اس علامت کو مٹانا چاہا جو اشتراک کو قائم کئے ہوئے تھی۔یہ مخالفت ہندوؤں سے بڑھ کر شیعوں تک آ گئی کیونکہ اکبر کے زمانہ میں کافی شیعہ مغل حکومت میں شریک ہو چکے تھے۔مولانا عبید اللہ سندھی اس پس منظر کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔۔۔۔۔۔۔۔جاری ہے

==

''وحی'' اس رہنمائی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان کو حیات حاصل ہو

تحقیق اور تنقیص: ڈاکٹر ابوحیان سعید

جدید اصلاحی ادب ایک جائزہ: پروفیسر عبدالرحمان کے افکار..

(پروفیسر عبدالرحمٰن گورڈن کالج راولپنڈی میں کیمسٹری کے پروفیسر تھے۔ وہ ایک قرآنی اسکالر ہیں۔قرآن کریم کی تعلیمات کے بارے میں پروفیسر عبدالرحمٰن کے خیالات پیش کرتے ہوئے مجھے فخر محسوس ہوتا ہے۔)

جدید اصلاحی ادب کی سیریز میں پروفیسر عبدالرحمان کے افکار کا جائزہ پیش خدمت ہے ..
اگر ایک طرف دھیمی رفتار سے بہنے والی ندیاں ہیں تو دوسری طرف تیز وتند دریا بھی اپنی آب وتاب کے ساتھ رواں دواں نظر آتے ہیں، ایک طرف پند ونصح کی فراوانی ولفاظی ہے تو دوسری طرف سچی اور کھری بات کی کسوٹی ہے، آج جدید اصلاحی ادب کی سیریز میں پروفیسر عبدالرحمان کی ذکر خیر کی محفل ہے۔ سچی اور کھری بات کہنا آپ کی خاصیت ہے کسی کو لطیف پیرائے میں سچی اور کھری بات سمجھانا کوئی آپ سے سیکھے، فلسفیانہ طرز کی گفتگو سے پرہیز آپ کو اوروں سے منفرد بناتا ہے۔

قرآن کریم سے آپ کی محبت ایسی ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات کے خلاف بات آپ سے برداشت نہیں ہوتی اور لہجہ سخت ہو جاتا ہے، ایسا کئی بار ہم نے دیکھا ہے اور راقم یہ گواہی دیتا ہے کہ پروفیسر عبدالرحمان قرآن کریم کی تعلیمات پر کسی بھی قسم کا کوئی کمپرومائز کرنے پر کبھی تیار نہیں ہوتے ،آپ کا ارتکاز قرآن کریم کی تعلیمات ہیں۔

کچھ منتخب اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

''اللہ تعالیٰ ہدایت کے نام پر صرف ایسی ہدایت ہی بھیجتا رہا ہے کہ جسے ایک عامی کا فہم وادراک بھی اتنا ہی کیچ کرلے جتنا کہ ایک نبی کا۔ وہ چیستاں نہیں بھیجا کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے شیکسپیئر کا کلام ہدایت کے نام پر نہیں بھیجا بلکہ اپنا کلام —- قرآن مبین، فرقان مبین اور قول فیصل کے نام سے بھیجا ہے جسے دیکھتے اور سنتے ہی ایک عام آدمی بھی اتنا ہی سمجھ لے جتنا کہ ایک نبی۔ گویا کہ اسے سنتے اور اسے برتتے ہوئے عام وخاص، ہر شخص یہی محسوس کرے کہ یہ تو اس کے دل کی آواز ہے۔ اور وہ بے ساختہ کہہ اٹھے کہ ''گویا کہ یہی میرے دل میں تھا۔"

دل کی آواز نا قابل فہم نہیں ہوا کرتی، لیکن مولویوں اور فقہاء نے دل کی اس آواز کو، فطرت

سلیمہ کی اس پکار کو ہر لحاظ سے چیستاں بنانے کی کوشش کی ہے تا کہ اس قرآن کو مجہور بنایا جاسکے اور لوگوں کو اس سے دور رکھا جاسکے اور وہ سب اپنی اس کوشش میں عوام الناس کی اکثریت کی حد تک صدیوں سے اگرچہ بظاہر کامیاب ہیں لیکن اللہ کی نظر میں :ھذا خسران مبین: کا مصداق ہیں۔

بدقسمتی سے آج بھی وہ سب اسی کام میں لگے ہوئے ہیں، نہ خود قرآن کو اپنے دماغ کی بتی روشن کرکے براہِ راست سمجھنا چاہتے ہیں اور نہ لوگوں کو سمجھنے دینا چاہتے ہیں، بس ایک شوق فضول میں لگے ہوئے ہیں اور **blind vision** کے شکار راویوں کی عینک کو رسول کی عینک قرار دے رہے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں:

''از روئے قرآن، قبر نہ جنت کی کوئی جھلک ہے اور نہ جہنم کی کوئی ریہرسل ہے۔ یہ محض ایک گڑھا ہے جہاں یوم حشر تک اندھیرا ہی اندھیرا اور سناٹا ہی سناٹا ہے۔ نہ زندگی کی کوئی رمق اور نہ شعور کی کوئی تجلی، نہ جسم میں کسی نام نہاد روح کی انٹری اور نہ کسی منکر نکیر کی پوچھ گچھ، بس جسم کا ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جانا ہے۔ رزق خاک بن جانا ہے۔ اور یوم حشر کو دوبارہ ریزے ریزے کامل کر قبر سے اٹھ کھڑے ہونا ہے۔

الیه مرجعکم جمیع ا'' .وعداللہ حقا''. **انه یبدء الخلق، ثم یعیده'لیجزی الذین آمنوا و عملوالصلحت بالقسط۔ والذین کفرو لهم شراب من حمیم وعذاب الیم بما کانوا یکفرون**۔سورہ یونس، آیت4

قسط کے ساتھ جزاوسزا صرف روز قیامت ہی ہوگی، اس سے پہلے قسط کے ساتھ ممکن ہی نہیں۔ اس لیے، عذاب قبر کی یہ سب کہانیاں قصہ خوانیاں ہیں، افسانے اور کہانیاں ہیں۔"

وہ لکھتے ہیں:

''عذابِ قبر کا سارا دارومدار اس بنیاد پر ہے کہ جسم میں روح نام کی کوئی لطیف شے بھی ہوتی ہے جسے فنا نہیں ہے اور جو آغاز زندگی میں جسم کے اندر انجیکٹ کردی جاتی ہے اور بوقت وفات جسم سے باہر نکال لی جاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ بندہ مردہ ہوجاتا ہے۔ اور ساتھ ہی پھر اس کی "روح'' کو فرشتے کسی ریپر ٹائپ کی چیز میں لپیٹ کر آسمانوں کی بلندیوں پر کہیں دور دراز لے جا کر روح کے اس پارسل کو جمع کروادیتے ہیں اور پھر حیرت کی بات ہے کہ دفن ہوتے ہی پھر اسے کسی میزائل کی طرح آسمانوں سے لانچ کردیا جاتا ہے تاکہ وہ دفن شدہ باڈی کے ساتھ اٹیچ ہو کر اسے کچھ نہ کچھ لائف، اور خوشی یا تکلیف کا سینس عطا کرسکے اور قبر میں ''منکر نکیر'' کے ساتھ مذاکرات کرسکے۔

روحانیت، باطنیت، تصوف، مزارات اور ایصال ثواب کی ساری فریب کاریاں اسی تصور روح پر مبنی ہیں جبکہ قرآن میں سرے سے روح کا کوئی ایسا تصور ہی نہیں ہے۔ قرآن زندہ انسانی جسم کو دیگر حیوانات کی